ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

9

www.tanzeem.org

11 تا 17 جمادی الاوّل 1436ھ/3 تا 9 مارچ 2015ء

اللہ کی سنت

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٣﴾﴾ (الانفال)

’’یہ اس لیے کہ اللہ بدلنے والا نہیں نعمت جو اس نے دی ہو کسی قوم کو جب تک وہ خود نہ بدلے اپنے جی کی بات اور یہ کہ اللہ سنتا اور جانتا ہے۔‘‘

اس آیت سے پہلے فرعونیوں کی ہلاکت کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ کس طرح اپنے گناہوں کے سبب اللہ کی گرفت میں آ گئے۔ اس کے بعد فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ اپنے لطف و احسان اور اپنی بخشی ہوئی نعمت کو تباہی و ہلاکت اور خسران سے نہیں بدلتا جب تک کہ کوئی قوم خود اُن چیزوں کو بدل نہ ڈالے، جو افرادِ قوم کی اپنی ذات کے ساتھ اور ذات میں شامل ہوتی ہیں۔ اس تبدیلی کے بعد اللہ کا رویہ بھی ان کے ساتھ بدل جاتا ہے۔ اس کی رحمت ایسے لوگوں کی طرف سے اپنا رُخ موڑ لیتی ہے۔ پھر تباہی و بربادی کے سوا ان کے حصے میں کچھ نہیں آتا۔ لیکن جب کسی قوم کی حالت ٹھیک ہوتی ہے اور اس کا معاملہ اپنے رب کے ساتھ صحیح اور درست ہوتا ہے تو اللہ کی نوازش اور نعمت کی بارش اس پر ہوتی رہتی ہے۔ اس آیت میں مَا بِاَنْفُسِهِمْ کے الفاظ بہت معنی خیز ہیں۔ اللہ کی نظر آدمی کی اصل حالت اور کیفیت پر ہوتی ہے، وہ اگر درست ہے تو آدمی قابلِ قدر ہے، ورنہ اس کا وجود ہی بے معنی ہے۔

شاہ عبدالقادر کی قرآن فہمی
محمد فاروق خان

اس شمارے میں

ہوسِ زر

ایمان کے ثمرات و نتائج

یہ اسلام کے خلاف جنگ نہیں ہے!

سانحۂ بلدیہ ٹاؤن

حد درجہ جاہلیت

غیر اسلامی خرید و فروخت کا رواج

ایک مسلمان ملک کی آپ بیتی

تنظیم اسلامی کی دعوتی سرگرمیاں

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

دعوت دین کے تین مدارج

سُوْرَۃُ النَّحْل	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	آیت 125

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

آیت ۱۲۵ ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ ’’آپؐ دعوت دیجیے اپنے رب کے راستے کی طرف دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ‘‘

یہ دعوت الی الحق کا طریقہ اور اس کے آداب کا ذکر ہے‘ جیسا کہ سورۂ یوسف‘ آیت ۱۰۸ میں فرمایا گیا: ﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ یہ میرا راستہ ہے‘ میں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں پوری بصیرت کے ساتھ‘ میں خود بھی اور میرے پیروکار بھی (اس راستے پر گامزن ہیں)۔‘‘

﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ﴾ ’’اور ان سے بحث کیجیے بہت اچھے طریقے سے۔‘‘

﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾﴾ ’’یقیناً آپؐ کا رب خوب واقف ہے اُن سے جو اُس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں اور وہ خوب جانتا ہے اُن کو بھی جو راہِ ہدایت پر ہیں۔‘‘

اپنے موضوع کے حوالے سے یہ بہت عظیم آیت ہے۔ اس میں انسانی معاشرے کے اندر انسانوں کی تین بنیادی اقسام کے حوالے سے دعوتِ دین کے تین مدارج بیان کیے گئے ہیں‘ مگر عام طور پر اس آیت کا ترجمہ اور تشریح کرتے ہوئے اس پہلو کو اجاگر نہیں کیا جاتا۔

کسی بھی معاشرے میں علم و دانش کی بلند ترین سطح پر وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں اس معاشرے کا دانشور طبقہ (intelligentsia) یا ذہین اقلیت (intellectual minority) کہا جاتا ہے۔ اس طبقے کی حیثیت اس معاشرے یا قوم کے دماغ کی سی ہوتی ہے۔ یہ لوگ اگرچہ تعداد کے لحاظ سے بہت چھوٹی اقلیت پر مشتمل ہوتے ہیں مگر کسی معاشرے کی مجموعی سوچ اور اس کے مزاج کا رخ متعین کرنے میں اُن کا کردار یا حصہ فیصلہ کن حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو جذباتی تقاریر اور خوش کن وعظ متاثر نہیں کر سکتے‘ بلکہ ایسے لوگ کسی سوچ یا نظریے کو قبول کرتے ہیں تو مصدقہ علمی و منطقی دلیل سے قبول کرتے ہیں اور اگر رد کرتے ہیں تو ایسی ہی ٹھوس دلیل سے ردّ کرتے ہیں۔

آیت زیر نظر میں بیان کردہ پہلا درجہ ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے اور وہ ہے ’’حکمت‘‘۔ یہ علم و عقل کی پختگی کی بہت اعلیٰ سطح ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۶۹ میں اللہ تعالیٰ نے حکمت کو ’خیر کثیر‘ قرار دیا ہے: ﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ﴾۔ قرآن میں تین مقامات (البقرۃ ۱۲۹‘ آل عمران ۱۶۴ اور الجمعہ:۲) پر اِن مراحل اور درجات کا ذکر کیا گیا ہے جن کے تحت حضور ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت فرمائی۔ ان میں بلند ترین مرحلہ یا درجہ حکمت کا ہے۔ حکمت کے سبب کسی انسان کی سوچ اور علم میں پختگی آتی ہے‘ اس کی گفتگو میں جامعیت پیدا ہوتی ہے اور اس کی تجزیاتی اہلیت بہتر ہو جاتی ہے۔ اس طرح وہ کسی سے بات کرتے ہوئے یا کسی کو دین کی دعوت دیتے ہوئے معروضی صورتِ حال‘ مخاطب کے ذہنی رجحان اور ترجیحات کا درست تجزیہ کرنے کے بعد اپنی گفتگو کے نکات اور دلائل کو ترتیب دیتا ہے۔ اسے خوب اندازہ ہوتا ہے کہ کس وقت اسے کیا پیش کرنا ہے اور کس انداز میں پیش کرنا ہے۔ کون سا نکتہ بنیادی حیثیت کا درجہ رکھتا ہے اور کون سی دلیل ثانوی اہمیت کی حامل ہے۔ بہرحال کسی بھی معاشرے کے وہ لوگ جو علم‘ عقل اور شعور میں غیر معمولی اہلیت کے حامل ہوں‘ اُن کو دعوت دینے کے لیے بھی کسی ایسے داعی کی ضرورت ہے جو خود بھی علم و حکمت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو اور ان سے برابری کی سطح پر کھڑے ہو کر بات کر سکے۔ کیونکہ جب قرآن اپنے مخالفین کو چیلنج کرتا ہے: ﴿هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾﴾ (البقرۃ) ’’اپنی دلیل لاؤ اگر تم واقعی سچے ہو‘‘۔ تو ایسی صورت میں ہمارے مخالفین کو بھی حق ہے کہ وہ بھی ہم سے دلیل مانگیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم عقل اور منطق کی اعلیٰ سے اعلیٰ سطح پر ان کی تسلی و تشفی کا سامان فراہم کریں۔ لہٰذا آیت زیر نظر میں دعوت و تبلیغ کا پہلا درجہ حکمت بیان کیا گیا ہے جس کا حق ادا کرنے کے لیے داعی کا صاحبِ حکمت اور حکیم ہونا لازمی ہے۔

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت
تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

11 تا 17 جمادی الاوّل 1436ھ — جلد 24
3 تا 9 مارچ 2015ء — شمارہ 09

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگرانِ طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور۔54000
فون: 36316638-36366638-36293939
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقامِ اشاعت: 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا---------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
مرزا ایوب بیگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہوسِ زر

اس زمین پر انسان نے زندگی کا سفر شروع کیا تو آغاز میں زندگی کے حوالہ سے انسان اور جانور کی اپروچ میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔ خوراک کی تلاش، جنسی خواہش کی تکمیل اور موسم کی شدت یا اپنے سے طاقتور سے جان کا تحفظ بس یہی زندگی کا مقصد تھا۔ اللہ رب العزت نے جانوروں کی عظیم اکثریت کو انسان کی نسبت بہت زیادہ جسمانی قوت عطا کی لیکن ذہنی طور پر اُن کی صلاحیت ان ہی تین چیزوں تک محدود رہی یعنی خوراک، جنسی خواہش اور دشمن سے جان کے تحفظ کی کوشش۔ جبکہ انسان جو جسمانی لحاظ سے اگرچہ کمزور ہے اُسے وسیع ذہنی صلاحیت سے نوازا۔ لہٰذا انسان نے اس صلاحیت کو استعمال کرتے ہوئے بہتر زندگی کے لئے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ اجتماعیت کو وجود میں لایا اور قبائل وجود میں آگئے جس سے تحفظ کے حوالہ سے انسان کی خود اعتمادی میں اضافہ ہوا۔ پھر یہ کہ مسابقت کا جذبہ پیدا ہوا۔

یہ جذبہ اس لحاظ سے تو بڑا قابل قدر اور قابل تحسین تھا کہ آگے بڑھنے کے لئے زیادہ سے زیادہ محنت اور جدوجہد کی جائے اور خداوند کریم کی طرف سے عطا کردہ تمام صلاحیتوں کو پرزور انداز میں بروئے کار لایا جائے، لیکن آگے بڑھنے کی بے قابو خواہش نے انسان کو اُس عقل اور ذہانت کو جو اللہ تعالیٰ نے نعمت عظمیٰ کے طور پر اُسے عطا کی تھی، اُس کے منفی استعمال کی طرف راغب کیا اور تاریخ بتاتی ہے کہ انسان نے خود کو ذاتی طور پر آگے بڑھانے اور اپنی اجتماعیت کو سبقت دلانے تک محدود نہیں رکھا بلکہ دوسرے کو کہنی مارنے، اُسے زبردستی پیچھے دھکیلنے، اُس کا حق تلف کرنے کے لئے دبوچ لینے، اُس کا بدترین استحصال کرنے یہاں تک کہ اُس کو جان سے مار دینے سے بھی گریز نہیں کیا۔ یہ سب کچھ انسان نے ذاتی سطح، پرگروہی سطح پر اور ریاستی سطح پر کیا۔ یہ انسان کا حال یا ماضی قریب ہی نہیں بلکہ ماضی بعید میں بھی انسان کا چلن کچھ اسی طرح کا تھا۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ دولت و اقتدار کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ دولت اقتدار کے لئے اور اقتدار و قوت دولت کے لئے حاصل کیا جاتا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ذاتی سطح پر دوسرے سے آگے نکلنے اور اُس کا حق تلف کرنے کے لئے میزان میں ڈنڈی مارتی تھی۔ قارون نے اپنی فنی مہارت کو دولت کے ارتکاز اور دوسروں کے استحصال کے لئے استعمال کیا۔ نمرود اور فرعون نے سیاسی اقتدار کو وسائل پر قبضہ کرنے کے لئے استعمال کیا، یہاں تک کہ خدائی کے دعویدار بن بیٹھے۔

اللہ رب العزت نے انسانوں کی اصلاح اور انہیں صراط مستقیم پر گامزن کرنے کے لئے وقفہ وقفہ سے انبیاء اور رسول بھیجے جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ضابطے اور قوانین یعنی شریعت بھی لاتے رہے، جن سے اُس دور کے لوگ اسی دولت و اقتدار کی خاطر اور اپنی برتری کو قائم رکھنے کی خواہش میں الجھتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی اور رسول حضرت محمد ﷺ کو اپنی آخری کتاب قرآن مجید

دے کر اپنی ہدایت کو آخری اور حتمی انداز میں انسان تک پہنچا دیا۔ اس کتاب کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ اے انسان اللہ واحد ہی تمہارا خالق، مالک اور رازق ہے اور اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضور ﷺ کو حکم دیا کہ ان کے درمیان عدل قائم کرو اور انہیں بتادو کہ ان سب کو ایک روز اُسی کی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور یہ وہ دن ہوگا جب کہ چھوٹا بڑا سب حساب چکا دیا جائے گا۔ پھر یہ کہ انسانی کمزوریوں کی خاص طور پر نشان دہی کر دی۔ سورۃ الانفال کی آیت 28 میں اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے ''اور جان رکھو کہ تمہارا مال اور اولاد بڑی آزمائش ہے اور یہ کہ اللہ کے پاس (نیکیوں کا) بڑا اجر ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی بنیادی کمزوری کی نشان دہی کر دی۔

ہم آگے اپنی بات کو مسلمانوں تک محدود کر کے امت مسلمہ کا عمومی اور مسلمانان پاکستان کا خصوصی جائزہ لیتے ہیں۔ لیکن یہ جائزہ لیتے ہوئے ہمیں حضور ﷺ کی اس حدیث مبارک کو ذہن میں رکھنا ہوگا جو سیدنا کعبؓ بن عیاض سے مروی ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''بے شک ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔'' ندائے خلافت کے قارئین یہ تو جانتے ہی ہیں کہ عربی میں ''فتنہ'' آزمائش کو کہتے ہیں۔ گویا فرمان مبارک یہ ہے کہ میری امت کے لئے مال و دولت بہت بڑی آزمائش ہے۔ آزمائش میں انسان پورا بھی اتر سکتا ہے اور ہلاک بھی ہوسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج امت اس آزمائش میں بُری طرح ناکام ہوتی نظر آتی ہے۔ عرب جو اسلام کی جائے پیدائش ہے، وہاں کی سرزمین نے جب سیال سونا اگلا اور دولت کی ریل پیل ہوئی تو وہ نظری طور پر اور عقیدہ کی سطح پر نہ سہی عملی طور پر اسلام سے دور بلکہ بہت دور ہو گئے۔ زندگی میں رنگینی آ گئی۔ وہ عیش و عشرت میں پڑ گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قدرتی وسائل رکھنے کے باوجود وہ ظاہری طور پر آزاد اور حقیقت میں غلام ہیں۔ وہ اپنے فیصلے خود نہیں کر سکتے۔ امریکہ اور عالمی طاقتوں کے محتاج ہیں اور چھوٹا سا اسرائیل اور 1.2 کروڑ سے بھی کم یہودی، عربوں پر بُری طرح حاوی ہیں۔ آج سے پچاس سال پہلے اسرائیل کو نیست و نابود کرنے کے دعویدار عرب آج اپنی بقا اور سلامتی کے لئے اسرائیل اور یہودیوں کی منت سماجت کرتے نظر آتے ہیں بلکہ اُن کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے فلسطینی بھائیوں کے خون سے اپنا ہاتھ رنگ رہے ہیں اور اُنہیں معاشی طور پر تباہ کرنے کے لئے اُن کا محاصرہ کیے ہوئے ہیں۔

وطن عزیز پاکستان کا حال عربوں سے بدتر ہے۔ عرب اپنے وسائل کو عیش و عشرت میں جھونک رہے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم مے بھی قرض کی پیتے ہیں۔ ہم دنیا بھر میں کشکول لئے پھرتے ہیں اور بھکاری کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ دنیا ہمیں یہ قرض سود پر دیتی ہے۔ ہمارے حکمران ان قرضوں کو اپنے ٹھاٹھ باٹھ میں اُڑا رہے ہیں یا بڑی بڑی عمارتیں اور پل تعمیر کر کے غیر ترقیاتی کاموں میں صرف کر رہے ہیں۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ پاکستان میں پیدا ہونے والا ہر بچہ ایک لاکھ روپے کے لگ بھگ مقروض ہوتا ہے اور یہ قرض اُسے بالآخر ادا کرنا ہے۔ وگرنہ ہمارے قرض خواہ اتنے بھولے، سیدھے اور مجبور نہیں ہیں۔ وہ قرض نہ لوٹانے والوں کا جینا حرام کر دیں گے۔ اُن کے سامنے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بات قرض خور نہ کرنا چاہیں گے اور نہ کر سکیں گے۔ اُنہیں جرات رندانہ سے یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ سود کے لین دین کی ہماری شریعت اجازت نہیں دیتی، یہ کسی صورت ادا نہیں کیا جائے گا۔ رہ گئی بات اصل زر کی تو وہ جب اور جیسے ممکن ہوا ادا کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اس ڈیل میں بھی دوطرفہ بددیانتی کارفرما تھی۔

اب آیئے، اس طرف کہ جس شے کو اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ﷺ نے فتنہ (یعنی آزمائش) قرار دیا ہے پاکستانی معاشرہ نے اس حوالہ سے کس سطح کی کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم آخری درجہ تک اس میں ناکام ہوئے ہیں۔ اِس حوالہ سے ہماری ناکامی تو ناقابل بیان اور ناقابل تحریر ہے۔ گزشتہ اڑسٹھ سال کی تاریخ میں اپنی ناکامیوں کا سرسری جائزہ لینے کے لئے ایک ضخیم کتاب درکار ہوگی۔ دیگ سے چاول کا دانہ چیک کرنے کے لئے صرف حالات حاضرہ پر نگاہ ڈالیں، قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں جن لوگوں کو ہم نے اپنی نمائندگی کے لئے بھیجا ہے یا وہ زور آوری سے پہنچ گئے ہیں۔ اُنہیں اگلے ماہ کی پانچ تاریخ کو سینٹرز منتخب کر کے پاکستان کا ایک آئینی ادارہ یعنی ایوان بالا تشکیل دینا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے ہمیں اس عیاشی کی ضرورت کیا ہے؟ حکومتی معاملات میں سینیٹرز کا کوئی رول نہیں ہوتا۔ فنانس بل میں وہ ووٹ نہیں دے سکتے اور نہ فیڈرل بجٹ پر سینٹ میں رائے شماری ہوسکتی ہے۔ گویا غریب ملک کے خزانے پر یہ ایک بلاضرورت بوجھ ہے۔ بہرحال یہ آئینی تقاضا ہے۔ ہمارے سیاست دان یوں تو آئین سے دن رات کھیلتے ہیں اور جیسے چاہے کھیلتے ہیں، لیکن اپنے مفادات کے لئے انہیں آئین یاد آ جاتا ہے۔ سینیٹ کے انتخابات میں ہمارے قومی و صوبائی اسمبلیوں کے نمائندے اپنی جس طرح بولی لگوا رہے ہیں الامان الحفیظ۔ اس پر کسی نے بہترین تبصرہ کیا ہے کہ پاکستان کی اسمبلیوں کو مویشی منڈی کہنا بیچارے مویشیوں کے ساتھ زیادتی ہے، یہ مویشیوں کی توہین ہے۔ قصہ کوتاہ قوم کے نمائندے نیلام ہو رہے ہیں اور ہمارا ایوانِ اقتدار خوبصورت اور لکش نیلام گھر کی صورت اختیار کر گیا ہے اور قوم کے نمائندے خود کو عبدالروبیہ ثابت کر رہے ہیں۔ (باقی صفحہ 12 پر)

ایمان کے ثمرات و نتائج اور ہمارا طرزِ عمل

مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کے 13 اور 20 فروری 2015ء کے خطابات جمعہ کی تلخیص

مرتب: حافظ محمد زاہد

خطبہ مسنونہ اور تلاوتِ آیات کے بعد!

حضرات! ابھی آپ نے سورۃ التغابن کے دوسرے رکوع کی ابتدائی پانچ آیات سماعت فرمائی ہیں۔ پہلے رکوع میں ایمانیات کا تذکرہ تھا جبکہ اس رکوع میں ایمان کے لازمی ثمرات و منطقی نتائج کا بیان ہے۔ زیر مطالعہ پانچ آیات میں پانچ بنیادی تبدیلیوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو ایمان کے نتیجے میں انسان کے نقطۂ نظر‘ اس کے اندازِ فکر اور اس کے عملی رویے میں نمایاں اور ظاہر ہونی چاہئیں۔ گویا ان آیات میں ہمیں اپنے ایمان کو پرکھنے کے لئے ایک کسوٹی عطا کی گئی ہے۔ چنانچہ اگر یہ اثرات و ثمرات ہماری شخصیتوں میں ظاہر ہو گئے ہوں تو ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ ایمانِ حقیقی کا نور ہمارے دلوں میں موجود ہے‘ اور اگر یہ ظاہر نہیں ہو رہے ہیں تو پھر ہمیں تشویش ہونی چاہیے کہ ہم ایمانِ حقیقی سے محروم ہیں اور ابھی یقین قلبی والے ایمان کے حصول کے لئے شدید محنت کی ضرورت ہے۔

ایمان کے ثمرات و نتائج میں سب سے پہلی شے ہے تسلیم و رضا۔ اس حوالے سے اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ؕ وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ یَھْدِ قَلْبَہٗ ؕ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (11)﴾

’’نہیں نازل ہوتی کوئی مصیبت مگر اللہ کی اجازت سے۔ اور جو کوئی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔‘‘

جس شخص کے دل میں ایمانِ حقیقی موجود ہو اللہ تعالیٰ اسے اطمینانِ قلب کی دولت سے نوازتا ہے۔ اسے یقین ہو جاتا ہے کہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے اللہ کے اذن سے ہو رہا ہے۔ اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اسی کیفیت کا نام تسلیم و رضا ہے۔

ایمانِ حقیقی کی بدولت انسان کے دل میں یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ ساری تکالیف و مصائب من جانب اللہ ہیں۔ جب یہ یقین ہو جائے تو پھر یہ نہیں ہوتا کہ اگر ایک چانس مس ہو جائے، کوئی تکلیف آ جائے، کاروبار میں نقصان ہو جائے یا کسی عزیز کا انتقال ہو جائے تو ہم ذہنی مریض بن جائیں۔ بلکہ ہم اللہ کے فیصلے پر راضی ہوتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے جو حالات آ رہے ہیں، اس میں یقیناً ہمارے لئے خیر ہے اور اس پر ہم صابر اور شاکر ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمان کا مفہوم ہے کہ بندۂ مؤمن کے لئے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے۔ اُسے کوئی خوشی یا نفع ملتا ہے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر کوئی تکلیف یا مصیبت آ جائے تو بھی اس پر صبر کرتا ہے۔ لہٰذا دونوں حالتوں میں وہ اجر پاتا ہے۔ مزید یہ کہ بندۂ مؤمن کو یہ بھی معلوم ہے کہ دنیا کی سختیاں اور مصیبتیں سب آزمائش ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ایسے انداز سے زندگی گزاریں کہ رب کے ہاں امتحان زندگانی میں کامیاب قرار پائیں۔ اس ضمن میں یہ بھی یاد رکھیے کہ مصائب کے آنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ ناراض ہے۔ مصائب کے حوالے سے قرآن مجید میں یہ بات آئی ہے: ﴿وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ﴾ (الشوریٰ:30) ’’اور تم پر جو بھی مصیبت آتی ہے وہ درحقیقت تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی (اعمال) کے سبب آتی ہے‘‘۔ لیکن مصائب کا آنا بہرحال اللہ کی ناراضی کی علامت نہیں ہے۔ اس لیے کہ مصائب اور سختیاں تو نبیوں اور رسولوں پر بھی آئی ہیں۔ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ تمام انبیاء اور رسولوں پر جو تکالیف آئیں وہ سب کی سب تنہا مجھ پر آئیں۔ آپؐ پر ایک سے ایک سخت آزمائش آئی۔ یوم طائف تو آپؐ کی زندگی کی سب سے بڑی آزمائش تھی، جب طائف کے بھیڑیا صفت اوباش نوجوانوں نے رسول اللہ ﷺ پر ذہنی و جسمانی ٹارچر اور درندگی کی انتہا کر دی۔ وہ آپؐ کا مذاق اڑاتے‘ استہزاء کرتے، نشانہ لے لے کر ٹخنے پر پتھر مارتے تھے، جس سے آپؐ کا جسم اطہر زخمی ہو گیا۔ آپؐ کے جوتوں کے اندر خون بھر گیا اور پاؤں جوتوں میں جم گئے۔ اس وقت آپؐ کی زبان مبارک سے جو دعا نکلی‘ اس کے آخری الفاظ بڑے پیارے ہیں: ((اِنْ لَمْ یَکُنْ عَلَیَّ غَضَبُکَ فَلَا اُبَالِیْ)) ’’(پروردگار! اگر تیری رضا یہی ہے اور) اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو پھر مجھے (ان تکالیف کی) کوئی

پروانہیں ہے۔'' یہ ہے تسلیم و رضا کی کیفیت اور یہ بڑا اونچا مقام ہے۔

جب آدمی کو یہ کیفیت حاصل ہو جائے تو پھر اس کے اندر سے خوف وحزن کے جذبات واحساسات جاتے رہتے ہیں۔ سورۂ یونس میں فرمایا: ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (62)﴾ ''آگاہ ہو جاؤ! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔ خوف یہ ہے کہ اگلے لمحے کچھ ہو نہ جائے، کوئی نقصان نہ ہو جائے یا کوئی حادثہ پیش نہ آجائے۔ جبکہ حزن یہ ہے کہ جو تکلیف و پریشانی آئی ہے اس پر رنج وغم کیا جائے۔ اللہ کے ولی ان احساسات سے بالاتر ہوتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہوا اللہ کی مرضی سے ہوا ہے۔ میرا رب مجھ سے بڑھ کر میرا خیر خواہ ہے۔ لٰہذا میری بہتری اسی میں ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت 216 اس بارے میں بہت واضح ہے: ''اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی شے کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو درآنحالیکہ وہی تمہارے لیے بُری ہو۔ اور اللہ جانتا ہے' تم نہیں جانتے۔''

تسلیم و رضا کی کیفیت میں اگرچہ خوف اور حزن جاتا رہتا ہے' لیکن کسی عزیز کے انتقال پر طبعی طور پر صدمہ ہو جانا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا جاری ہو جانا ایک فطری عمل ہے، جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آنحضورﷺ نے جب اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کو بستر مرگ پر دیکھا تو آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ایک صحابی نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپؐ کی آنکھوں میں آنسو؟ فرمایا: یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جو اس نے اپنی مخلوقات کے دل میں رکھی ہے۔ آنکھ سے آنسو بہہ رہے ہیں لیکن دل اللہ کے فیصلے پر راضی ہے۔ مولانا محمد علی جوہر کے بارے میں آتا ہے کہ تحریک خلافت شروع کرنے کی پاداش میں وہ جیل میں تھے۔ انہیں اطلاع ملی کہ ان کی بیٹی بستر مرگ پر ہے اور شدید بیمار ہے تو انہوں نے جواب میں ایک طویل نظم لکھی۔ اس نظم کا ایک خوبصورت شعر ہے:

تیری صحت ہمیں منظور ہے لیکن
اُس کو نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

یہ بات وہی آدمی کہہ سکتا ہے جس کے دل میں یقین والا ایمان ہو، ورنہ اولاد بیمار ہو اور نظر آ رہا ہو کہ موت قریب ہے تو ہر شخص یہی کہے گا کہ میرے بچے کے لئے دعا کریں کہ کسی طرح صحت یاب ہو جائے، لیکن مولانا جوہر نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو میری بیٹی کی صحت منظور نہیں تو مجھے بھی منظور نہیں۔ اس حوالے سے اکبرالہ آبادی نے کہا تھا:

رضائے حق پہ راضی رہ یہ حرفِ آرزو کیسا
خدا خالق' خدا مالک' خدا کا حکم' تو کیسا؟

ایمان کا دوسرا لازمی نتیجہ ہے اللہ اور رسولﷺ کی اطاعت۔ اس حوالے سے فرمایا:
﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (12)﴾
''اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو (اس کے) رسول (ﷺ) کی۔ پھر اگر تم نے روگردانی کی تو (جان رکھو کہ) یقیناً ہمارے رسول پر تو صرف صاف صاف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔''

ایمان لانے کے بعد اطاعت بڑی منطقی بات ہے۔ اس لیے کہ اللہ ہمارا آقا ہے اور ہم اس کے بندے اور غلام ہیں۔ ہم دنیا میں تو اپنے باس کے آگے سر

پریس ریلیز 15 فروری 2015ء

خیبر حکومت کا کرپشن کی مذمت اور اتحاد امت کے حوالے سے آیات واحادیث کو نصاب تعلیم کا حصہ بنانا قابل تحسین ہے

حکومتیں عریانی، سود، جوئے کے خلاف آیات واحادیث کو نصاب کا حصہ بنائیں

جہاد کے حوالے سے آیات قرآنی اور احادیث کو بھی دوبارہ تعلیمی نصاب کا حصہ بنایا جائے

حافظ عاکف سعید

دین کی بنیادی تعلیمات ہمارے تعلیمی نصاب کا لازمی جزو ہونا چاہیے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ اُنہوں نے خیبر پختونخوا حکومت کی طرف سے کرپشن کی مذمت اور اتحاد امت کے حوالہ سے قرآن پاک کی آیات اور احادیث مبارکہ کے تعلیمی نصاب میں شامل کرنے کی تحسین کرتے ہوئے کہا کہ یہ اگرچہ پہلا انتہائی مثبت اور حوصلہ افزا قدم ہے جو پاکستان کی ایک صوبائی حکومت کی طرف سے اٹھایا گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک وحدت ہے اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عریانی اور فحاشی کے خلاف، سود اور جوئے کے خلاف بھی قرآنی آیات اور احادیث کو نصاب کا حصہ بنایا جائے۔ پھر یہ کہ جہاد اور قتال کے حوالے سے قرآنی آیات اور احادیث کو نصاب سے کھرچنے کا جو سلسلہ شروع کیا گیا تھا اسے بند کیا جائے اور جہاد کے حوالے سے بھی آیات قرآنی اور احادیث کو دوبارہ تعلیمی نصاب کا حصہ بنایا جائے۔ اُنہوں نے سینٹ کے انتخابات کے حوالے سے ہارس ٹریڈنگ کی خبروں پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ قوم اخلاقی سطح پر اس قدر گراوٹ کا شکار ہو چکی ہے کہ ایوانِ اقتدار نیلام گھر بنے ہوئے ہیں، جہاں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبران کی بولیاں لگائی جا رہی ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ اسلام کے نام پر حاصل کئے جانے والے ملک میں ایسی غیر اخلاقی حرکات انتہائی شرمناک ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ قوم کے نمائندوں کے ضمیر مردہ ہو چکے ہیں لہٰذا انہیں اس اخلاق باختہ حرکت سے باز رکھنے کے لئے آئین میں ترمیم کرنا پڑ رہی ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ دین سے دوری کی وجہ سے ہمیں ہر سطح پر شرمساری اور ندامت کا سامنا ہے۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشرواشاعت تنظیم اسلامی)

جھکائے پھرتے ہیں اور اس کی ہر بات مانتے ہیں۔ حالانکہ وہ بھی ہماری طرح کا ایک انسان ہی ہے۔ مگر وہ جو ہمارا حقیقی آقا ہے، اور ہم جس کے حقیقی غلام ہیں، افسوس کہ ہم اس کے احکامات کو پاؤں تلے روندتے ہیں۔ اِس روش کو تو دنیا میں بھی کوئی باس یا ذمہ دار برداشت نہیں کرتا' جبکہ ہم چاہتے ہیں کہ اللہ ہمارے اس رویے کو برداشت کرے۔ آج بحیثیت مجموعی اُمت اللہ سے وفاداری چھوڑ کر اللہ کے سب سے بڑے باغی شیطان کی وفاداری میں لگی ہوئی ہے۔ پھر بھی شکوہ کناں ہے:

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر!

حالیہ برسوں میں مغربی دنیا میں نبی اکرم ﷺ کے توہین آمیز خاکوں کا معاملہ سامنے آیا ہے۔ آپ ﷺ کی اس انداز سے توہین کی گئی ہے کہ ناقابل بیان ہے۔ اس شرمناک جسارت کے بعد عالم اسلام میں بڑی بڑی میٹنگز ہوئیں' بڑے بڑے جلوس نکالے گئے، لیکن کسی نے اس طرف دھیان نہیں دیا کہ مسلمان سر جوڑ کر بیٹھیں کہ ابلیس کے ایجنٹ یہ شیطانی حرکتیں کر کیوں رہے ہیں؟ ہمارے ساتھ یہ سلوک ہو کیوں رہا ہے؟ آج مسلمان اتنے ذلیل و رسوا کیوں ہو گئے ہیں؟ آخر کیا (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ ابلیسی قوتوں کے آگے عاجز آ گیا ہے؟ اس پر کوئی مذاکرہ کیوں نہیں ہو رہا کہ ہم دنیا میں کیسے مضبوط ہوں؟ کیسے اللہ کی مدد، حمایت اور رحمت ہمارے شامل حال ہو اور ہم کیونکر ابلیس کے ایجنٹوں کو منہ توڑ جواب دے سکیں۔ کیا ہم صرف جلوس نکالتے رہیں گے' نعرے لگاتے رہیں گے اور پھر بلبلے کی طرح بیٹھ جائیں گے۔ پھر انتظار کریں گے کہ دوبارہ کوئی واقعہ ہو اور ہم پھر سے کھڑے ہو جائیں۔ یاد رکھئے، جب تک اسلام سے غداری کے حوالے سے اپنی روش نہیں بدلیں گے، اور کفار کو منہ توڑ جواب دینے کے اہل نہیں ہوں گے، اندیشہ ہے کہ یہ گھناؤنا سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا۔ افسوس کہ کوئی بھی اپنی اصلاح کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ افراد کی سطح پر بھی یہ معاملہ ہے کہ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوئی فکر نہیں۔ یہ عام روش ہے کہ ع ''چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی''۔ ہماری حکومتیں بھی یہی کر رہی ہیں۔ ترقی کے لئے ایڈوائزر باہر سے منگوائے جا رہے ہیں۔ اسلام کا ایک ماڈریٹ اور روشن خیالی والا تصور دیا جا رہا ہے۔ روشن خیالی پرویز مشرف کا ایجنڈا تھا اور آج پوری قوم اس ایجنڈے پر عمل پیرا ہو کر پستیوں کی طرف جا رہی ہے۔ ہم کیسے مسلمان ہیں کہ دعوے تو مسلمانی کے، اور محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی کے کرتے ہیں، مگر ہم نے نظامِ شیطان اور اُس کے معنوی فرزندوں کا اپنایا ہوا ہے۔ اللہ ہی کے نظام کو قائم کرنے کے لئے ہم تیار ہی نہیں ہیں۔ ریاستی سطح پر اسلام کی بالادستی تو کجا، ہم اپنے گھروں میں بھی اللہ کا نظام قائم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ اللہ کے رسول ﷺ کے عشق کا دم بھرنے والے آپ ﷺ کی سنتوں کو پاؤں تلے روند رہے ہیں۔ اس روش سے ہم کسی اور کو نہیں بلکہ خود اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔ ہم اللہ کو دھوکا نہیں دے سکتے کہ سارا سال شریعت کے خلاف بے دھڑک کام کریں، اور پھر عمرہ کر کے سارے گناہ دھلا آئیں اور واپس آ کر پھر انہی حرام کاموں میں لگ جائیں۔ سورۃ البقرۃ میں فرمایا: ﴿ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ (9) (البقرۃ) ﴾ ''وہ اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں، لیکن در اصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں، مگر سمجھتے نہیں''۔ بہرحال ایمان حقیقی کا لازمی نتیجہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل اطاعت ہے۔ اگر کوئی اطاعت نہیں کر رہا تو پھر وہ اپنے ایمان کی خیر منائے کہ وہ ایمان حقیقی سے محروم ہے۔

ایمان کا تیسرا لازمی نتیجہ ہے توکل علی اللہ۔ اس بارے میں رب العالمین نے فرمایا:

﴿ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (13) ﴾

''اللہ وہ ہستی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' پس اہل ایمان کو صرف اللہ پر بھروسا کرنا چاہیے۔''

توکل' ایمان کا لازمی نتیجہ ہے۔ اگر یہ یقین ہے کہ میرا معبود اللہ ہے، وہ میرا خیر خواہ ہے۔ وہی کارساز حقیقی ہے۔ اُسی کے ہاتھ میں سارا اختیار ہے تو اس یقین کا نتیجہ لازماً توکل کی صورت میں نکلے گا۔ توکل اسباب کی نفی کا نام نہیں ہے۔ ہمیں دشمن کے مقابلے میں تیاری کرنے اور اپنے اونٹ کو باندھ کر رکھنے کا حکم ہے۔ توکل یہ ہے کہ سارے اسباب ہونے کے باوجود بھروسا وسائل واسباب پر نہ ہو، بلکہ مسبب الاسباب پر ہو۔

اس دنیا میں عمل اور ردِ عمل کا قانون چل رہا ہے اور ہر چیز اسباب کے سلسلے سے جڑی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اس وجہ سے عام طور پر ہمارا سارا توکل اسباب پر ہو جاتا ہے اور توجہ مسبب الاسباب سے ہٹ جاتی ہے۔ جب کل کائنات کا مالک اللہ ہے، ہر چیز اُسی کے قبضہ قدرت میں ہے تو پھر توکل اسباب پر نہیں' مسبب الاسباب پر ہونا چاہیے۔ زندگی کی شاہراہ پر چلتے ہوئے بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم بالکل بند گلی میں آ گئے ہیں اور اِس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ لیکن اگر دل میں ایمانی قوت موجود ہو اور اللہ پر توکل ہو تو آدمی اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتا۔ اُسے یقین ہوتا ہے کہ اللہ کی ہستی یقیناً راستے کھولنے والی ہے اور وہ اسباب کی بھی محتاج نہیں ہے۔ اس کی چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں۔

توکل علی اللہ کی عظیم الشان مثال غزوۂ بدر ہے۔ اس غزوۂ میں اہل ایمان اور مشرکین کی عسکری اور مادی طاقت کا کوئی موازنہ نہیں تھا۔ 313 نہتے مسلمانوں کے مقابلے میں جنگی ساز وسامان سے لیس ایک ہزار کا لشکر موجود تھا۔ مسلمانوں کے پاس اگرچہ مادی اسباب نہ تھے لیکن ان کا توکل مسبب الاسباب پر تھا۔ چنانچہ اللہ نے ان کو عظیم الشان فتح عطا کی۔ اقبال نے اسی حوالے سے کہا تھا۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

غزوۂ بدر کے 8 سال کے بعد غزوۂ حنین ہوا۔ اس موقع پر مسلمان 14 ہزار تھے اور کفار 4 ہزار۔ مسلمانوں میں سے بعض کو خیال آیا کہ آج تو کامیابی یقینی ہے' لیکن یہ کثرت مسلمانوں کے کام نہ آئی۔ سورۃ الانفال میں اس کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے: ﴿ لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ ۙ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئًا وَّضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ (26) ﴾ ''(اے مسلمانو!) اللہ نے تمہاری مدد کی ہے بہت سے مواقع پر اور (خاص طور پر) حنین کے دن جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا تو وہ (کثرت) تمہارے کچھ کام نہ آسکی اور زمین پوری فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی' پھر تم پیٹھ موڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔''

اسی طرح غار ثور کا واقعہ ہے۔ ہجرت کے سفر کے دوران نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار ثور میں تھے، اور کھوجی آپ ﷺ کو تلاش کرتے ہوئے غار

کے دھانے تک پہنچ گئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو اِس موقع پر آنحضورﷺ کے حوالے سے سخت تشویش ہوئی، مگر آپؐ نے بڑے اطمینان سے فرمایا: ﴿لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ج﴾ ''گھبراؤ نہیں، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے''۔ پس اللہ تعالیٰ نے بغیر اسباب کے رسول اللہﷺ اور آپؐ کے ساتھی کی حفاظت فرمائی۔

غزوۂ تبوک سے واپسی پر رسول اللہﷺ تنہا ایک درخت کے سائے تلے آرام فرما رہے تھے۔ آپؐ کی تلوار درخت کی ٹہنی کے ساتھ لٹک رہی تھی۔ اُدھر سے ایک کافر کا گزر ہوا۔ اس نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے تلوار پکڑ لی اور کہا: اے محمد (ﷺ) اب بتاؤ، تمہیں کون بچائے گا؟ آپؐ نے بڑے اطمینان سے فرمایا: ''اللہ!'' یہ سنتے ہی کافر پر کپکپی طاری ہوگئی اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا توکل دیکھئے، جب آپؑ اپنی قوم کو فرعون کی غلامی سے رہا کروا کر مصر سے نکلے تو آگے سمندر آ گیا۔ پیچھے فرعون اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ تعاقب میں تھا۔ بنی اسرائیل گھبراہٹ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے، تم نے تو ہمیں مروا دیا۔ اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اطمینان سے فرمایا: ﴿اِنَّ مَعِیَ رَبِّیۡ سَیَہۡدِیۡنِ (62)﴾ ''میرا رب میرے ساتھ ہے۔ وہ راستہ نکالے گا!'' وہی ہوا جس کا موسیٰ علیہ السلام کو یقین تھا۔ پانی کے دو ٹکڑے ہوگئے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں سے راستہ نکال دیا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام رب کے حکم پر اپنے شیر خوار بچے کو اس کی ماں سمیت سنسان اور غیر آباد علاقہ میں چھوڑ کر روانہ ہوگئے۔ یہ ان کا اپنے رب پر توکل تھا۔

یہ تو 1400 سال پہلے کی مثالیں ہیں۔ اس دور میں بھی توکل کی ایک مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ افغانستان پر، عالم کفر کی یلغار کے موقع پر مٹھی بھر طالبان افغانستان نے اللہ پر توکل کیا تو دنیا نے دیکھا کہ اللہ نے ان کی مدد کی۔ آج امریکا اسباب کی کثرت کے باوجود شکست کھا کر افغانستان سے نکل رہا ہے۔ طالبان نے مسبب الاسباب کا سہارا لیا' اور دشمن سے ٹکرا گئے اور فتح پائی۔ جبکہ ہم نے سارا توکل اسباب پر کیا اور آج تھر تھر کانپ رہے ہیں۔ ہمارے پاس ایٹمی صلاحیت ہے۔ ہماری فوج دنیا کی بہترین فوجوں میں سے ہے۔ لیکن جب امریکا نے ہم سے افغانستان کی اسلامی حکومت کے خلاف جنگ میں تعاون کا مطالبہ کیا، تو ہم نے ڈر اور خوف کی وجہ سے اُس کے سارے مطالبات تسلیم کر لیے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم نے کرۂ ارض پر قائم واحد اسلامی حکومت کے خاتمہ میں امریکا کا ساتھ دیا۔ نائن الیون کا ڈراما رچایا ہی اس لئے گیا تھا کہ اس کی آڑ میں افغانستان کی اسلامی حکومت کو ختم کر دیا جائے۔

یاد رہے کہ ملا عمر کو سمجھانے کے لئے یہاں سے علماء اور جرنلز کا بہت بڑا وفد گیا تھا۔ ملا عمر یہاں تک مان گئے تھے کہ ہم اسامہ بن لادن کو کسی تیسرے ملک کے حوالے کر دیتے ہیں جہاں ان پر مقدمہ چلا جائے۔ الزام ثابت ہو جائے تو سزا دی جائے ورنہ باعزت طور پر رہا کر دیا جائے۔ البتہ اُن کا کہنا تھا کہ ہم اسے امریکا کے حوالے نہیں کریں گے۔ علماء کرام بتاتے ہیں کہ اس وقت ملا عمر نے ایسی ایمان افروز تقریر کی تھی جسے سن کر سب کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ ملا عمر کا کہنا تھا کہ ہمارا توکل اس اللہ پر ہے جو خالق و مالکِ کائنات ہے۔ ہمارے نزدیک امریکا نہیں، اللہ سب سے بڑا ہے اور ہم امریکا کی کوئی ناجائز بات نہیں مانیں گے۔ یہ آج کے دور کے توکل کی اعلیٰ مثال ہے۔

طالبان کو جیسے ہی موقع ملا انہوں نے اسلامی نظام قائم کر کے دکھا دیا' جبکہ ہمیں آزاد ہوئے 68 سال ہو رہے ہیں مگر شریعت نافذ نہیں کر سکے۔ باوجود یکہ یہاں 95 فیصد مسلمان ہیں، لیکن یہاں شریعت کی بجائے اب تک انگریز کا قانون چل رہا ہے۔ آج صورتحال یہ ہے کہ ہماری حکومت طالبان افغانستان کی تائید وحمایت کی بجائے اُن پر اشرف غنی سے مذاکرات کے لیے دباؤ ڈال رہی ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ ہمارا توکل اللہ پر نہیں ہے۔ ہمارا یقین ابلیسی قوتوں پر ہے۔ اسی بے یقینی کی وجہ سے ہم ناکام ہیں اور جوتیاں کھا رہے ہیں۔ امریکا کا سارا نزلہ آج ہم پر گر رہا ہے۔ وہ اپنی شکست کا سارا غصہ پاکستان پر نکال رہا ہے۔ وہ پاکستان سے اسلامی تشخص کو ختم کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ ہمارے ملک کو ترکی بنانے کا پروگرام آگے بڑھا رہا ہے۔

میرے والد مرحوم ومغفور بہت عرصے سے یہ بات کہہ رہے تھے کہ ہم نے اسلامی نظام قائم نہ کر کے قیام پاکستان کا جواز کھو دیا ہے۔ چنانچہ ہم اللہ کے عذاب کی زد میں ہیں۔ بس دیکھنا یہ ہے کہ وہ ہمیں کتنی مہلت اور دیتا ہے۔ یاد رکھئے، ہماری نجات کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہم اسلام سے بے وفائی کی روش پر سچی توبہ کریں۔ دنیاوی طاقتوں اور مادی اسباب پر بھروسا کرنے کی بجائے اللہ پر توکل کریں۔ ظاہر ہے، یہ تب ہی ہوگا جب ہم اپنی اطاعت اور وفاداری اللہ کے لئے خالص کر لیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کے تقاضوں کو صحیح معنوں میں پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

☆☆☆☆

بقیہ: کار تریاقی

اسی دوران موسم کنٹرول کرنے کا امریکی منصوبہ (جو آمد دجال بارے موسمیاتی کنٹرول والی حدیث کے عین مطابق ہے!) ایک سائنسدان نے افشا کیا ہے۔ جسے ری پبلیکنز نے ایک طرح کی دہشت گردی قرار دیتے ہوئے شدید تنقید کا نشانہ بنایا تھا بظاہر بند ہونے کے باوجود یہ منصوبہ چلتا رہا۔ سی آئی اے کی گہری دلچسپی کی بنا پر اسے آگے بڑھایا گیا۔ اسے بطور اقتصادی وعسکری ہتھیار بھی استعمال کیا جاسکتا ہے! لیکن مطمئن رہیے، یہ جنگ اسلام کے خلاف نہیں! آپ تسلی سے سوجائیے، باقی کام ہمارا ہے!

اسلام کا تحفظ، مسلمانوں اور رواداری کا تحفظ اوباما، کیری، برطانیہ، فرانس کو ٹھیکے پر دے دیا گیا ہے۔ یہ کچھ دیوانے ہیں جن سے ملکوں ملک نمٹنا ضروری ہے۔ مثلاً سویڈن والے بابائے آزادئ اظہار پر حملہ کر دیا۔ کلب سویڈن نے کیا کیا تھا؟ آپ کو یاد ہوگا واشنگٹن ٹائمز (مئی 2005ء) نے کتا بنا کر اس پر پاکستان لکھا تھا جب ہم کلبی (قلبی) وفاداری کے ساتھ عرب پکڑ پکڑ کر دینے کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ ہم آگ بگولہ ہو گئے تھے۔ دماغ، دل (اگر ایمان کی رتی بھی ہو) پر کیا گزرے گی اگر ایسی حرکت سویڈش ملعون نے شان رسالت میں کی ہو؟ اس کا بدلہ اتارنے کو دیوانہ ہو جانے والا شدت پسند کہلائے گا۔ کلب سویڈن مہذب شائستہ روادار، امن پسند بابائے آزادئ اظہار ہوگا۔

مزید برآں پوری مسلم دنیا عالمی سازشوں کے نتیجے میں عدم استحکام اور شدید انتشار سے دوچار کر دی گئی ہے۔ یہود ونصاریٰ نے کئی دہائیوں سے تہذیبوں کے تصادم، اسلامک تھریٹ، کے نام سے تیاری جاری رکھی۔ مشرق وسطیٰ اور پاکستان کے نئے نقشے تک جاری کیے۔ لیکن پھر بھی یہ جنگ اسلام کے خلاف نہیں ہے! ڈٹ کر ساتھ دیجئے!

☆☆☆

یہ جنگ اسلام کے خلاف نہیں ہے!

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

وائٹ ہاؤس سے اوباما نے مسلم امۃ سے خطاب کرتے ہوئے ہمیں پچکارا ہے۔ ہماری جنگ اسلام سے بھٹکے ہوئے لوگوں کے خلاف ہے۔ مغرب اور مسلم رہنما شدت پسندوں کے خلاف متحد ہو جائیں۔ امریکہ دنیا بھر میں رواداری کی حوصلہ افزائی چاہتا ہے۔ اسلام کیا ہے اور اس سے بھٹکا ہوا کون ہے اب اوباما اور کیری بتائیں گے۔ اسلامی تعلیمات کا مصدر اور شارح کیا کل ابوجہل ہو سکتا تھا جو آج وائٹ ہاؤس بن بیٹھا ہے؟ اگرچہ نائن الیون سے آج تک میزائلوں، توپوں، بحری فضائی بری بیڑوں کی گھن گرج میں یہ تشریحات وتعلیمات پوری مسلم دنیا پر مسلط کی گئی ہیں۔ اور یہ المیہ ہے کہ حکمرانوں، میڈیا اور سیکولر خرید کردہ طبقات نے انہیں قبول کر کے پھیلانے میں (دامے درمے سخنے قدمے) اپنا حصہ ڈالا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے دفاع کے لیے دنیا کے ہر خطے میں جان ہتھیلی پر رکھ کر کفر کے مقابل کھڑے ہو جانے والے مسلمان دہشت گرد کہلائے۔ یہ نوجوان خواہ غزہ میں تھے یا کشمیر میں، یمن میں تھے یا افغانستان، عراق، مصر، شام، تیونس میں، گلوبل ولیج کے چوہدریوں میں سے کسی نے بھی برما، وسطی افریقہ اور (آنکھ کے تارے) اسرائیل، بھارت کے شدت پسندوں کے خلاف تو یوں دعوت اتحاد کبھی نہ دی۔؟

دنیا بھر میں رواداری کی حوصلہ افزائی۔۔۔ چہ معنی دارد؟ کیا رواداری کا وہ فروغ جس کے لیے پیرس کی سڑکوں پر مغربی رہنماؤں نے مارچ کیا تھا؟ رہنمائے اعظم ﷺ (فداک امی وابی) کی حرمت وناموس پر حملے (آزادیٔ اظہار کے نام پر) جاری رکھنے کے لیے ''میں بھی چارلی ہوں'' کے کتبے اٹھائے؟ یا جس کا اظہار امریکی کریگ ہکس نے مذہبی، نسلی منافرت کی آگ میں تین نوجوان مسلمانوں کو یک بیک گولیاں برسا کر بھسم کر ڈالا۔ شمالی کیرولینا کی سرزمین کا یہ باسی شدت پسند نہیں۔ امریکہ اسے دہشت گردی تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ ع وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا! تاہم صرف زبان سے اظہار محبت و یک جہتی کرتے غلام احمد بلور کے خلاف فرانس نے پیرس کی عدالت میں مقدمہ درج کر ڈالا۔ نبی ﷺ سے اظہار محبت کی وارفتگی وسرشاری میں دیا جانے والا ان کا بیان بھی گردن زدنی ہے۔ باوجودیکہ وہ اپنے دور حکومت (جس کے وہ ریلوے وزیر تھے) میں امریکہ کے اتحادی اور وفادار رہ چکے ہیں!

امریکی یہ سب کہتے کرتے مارتے بم گراتے مسلمانوں کے خون ندیاں بہاتے تھکتے جاتے ہیں۔ ہماری لڑائی اسلام سے نہیں شدت پسندوں سے ہے! یعنی جو اللہ رسول ﷺ قرآن سے دست بردار ہونے پر تیار نہ ہو، وہ شدت پسند ہے۔ کفر کی جنگ کا مرکز ومحور قرآن اور ذات نبوی ﷺ ہے۔ نائن الیون سے آج تک قرآن پاک (نعوذ باللہ) کتوں کے منہ میں دینے اوراق مبارکہ فلش میں بہانے، بطور ٹوائلٹ رول استعمال کرنے، جلانے تک کی مذموم ترین اخلاقی گراوٹ کا مسلسل مظاہرہ کیا گیا۔ پھر بھی یہ جنگ اسلام کے خلاف نہیں ہے! شان رسالت ﷺ میں گستاخیوں کا تسلسل اور اس کی مغربی حکومتوں کی طرف سے مکمل پشت پناہی کی گئی۔ مذہبی جوش وخروش سے دریدہ دہنی کی بدترین وارداتوں اور کارٹونوں کی اشاعت کا جال بچھا کر بھی یہ کہنا کہ یہ جنگ اسلام کے خلاف نہیں! سنت رسول ﷺ (داڑھی، شرعی حلیہ) شعائر اسلام، مسجد، پردہ حجاب، نقاب کے خلاف اقدامات، قانون سازی، حملے، تضحیک سبھی کچھ مغربی ممالک میں روا رکھا گیا مگر یہ جنگ اسلام کے خلاف نہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ جو کفر کی نیندیں اڑاتا اور انہیں خالد بن ولیدؓ، فاتح خیبر سیدنا علیؓ تا سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی یاد دلا کر لرزاتا ہے اسے دہشت گردی قرار دے دیا۔ اسے شدت پسندی، قابل نفرین اور وحشیانہ فعل قرار دے دیا۔ قرآن کی 485 آیات بسلسلہ جہاد فی سبیل اللہ کے ہوتے ہوئے بھی! لیکن یہ جنگ اسلام کے خلاف نہیں ہے۔

امریکی شہریت کا حلف اٹھاتے ہوئے (ودیگر مغربی ممالک میں بھی) امریکہ کے لیے ہتھیار اٹھا کر سربکف ہو جانے کا عہد عین مستحسن اور لائق فخر ہے۔ سورۃ توبہ میں کلمے کا عہد کرتے ہوئے اللہ کے لیے ہتھیار اٹھا کر تحفظ ایمان واسلام کا وعدہ شدت پسندی، دہشت گردی اور مذہبی جنون ہے۔ لیکن یہ جنگ اسلام کے خلاف نہیں! امریکہ 1200 شامی جنگجوؤں کو تربیت دے رہا ہے۔ 70 ممالک کا اتحاد بنا کر شام پر ٹوٹ پڑنے کے عزم کا اظہار کر رہا ہے۔ 49 سے یہ عدد بڑھتا ہوا تازہ ترین بیان میں 70 تک جا پہنچا ہے۔ فتنۂ دجال بارے حدیث میں یہ عدد 80 لشکروں کا ہے! خطۂ شام ارض رباط ہے۔ احادیث خراسان (دریائے آموتا دریائے اٹک) اور شام کا تذکرہ کرتی ہیں۔ سو دیکھتے جایئے دجالیے اوباما کا عزم۔

دوسری جانب نئے امریکی وزیر دفاع نے حلف اٹھاتے ہی افغانستان سے امریکی فوجی انخلاء کی تاخیر کا فیصلہ سنا دیا ہے! (خراسانی لشکروں سے نبرد آزما رہنے کو)۔ کتاب ''OBAMAs WARS'' کا مصنف 2008ء کے حوالے سے لکھتا ہے کہ: پینٹاگون میں باوردی فوج، جنرل، ایڈمرل کرنل ہزاروں دوسرے افسر اور سویلین عراق اور افغانستان کی بجائے مستقبل کی جنگوں کے لیے منصوبہ بندی اور اسلحے کی فراہمی میں مصروف تھے۔ 2008ء کی جنگیں بھلائے ہوئے۔ ابتداءً رابرٹ گیٹس (سیکرٹری دفاع، 2008ء) کے لیے یہ ناقابل یقین تھا۔ پینٹاگون میں اس کے قریب ترین مشیر کے مطابق وہ حیرت زدہ تھا۔ پینٹاگون کی لامنتہا میٹنگیں، بحث مباحثے، شیڈول سب کسی دور دراز ممکنہ جنگوں بارے ہوتیں۔ افسران نئے بحری جنگی جہاز، ٹینک، رڈار، میزائل، جدید ترین ہائی ٹیکنالوجی ساز وسامان کی تیاری اور فراہمی کے پروگرام میں مصروف تھے، وہ 2008ء کی جنگیں بھلائے 2015ء یا 2020ء کی جنگیں لڑنے پر کمربستہ تھے۔ شاید اب 2015ء میں شام کے لیے داعش کی آڑ میں 70 ممالک کا اکٹھ 4 ہزار امریکی فوجیوں کی کویت میں تعیناتی اب مذکورہ بالا تیاری کا پس منظر واضح کیے دیتی ہے۔ (باقی صفحہ 8 پر)

سانحہ بلدیہ ٹاؤن

17 فروری 2015ء کو خلافت فورم میں فکر انگیز مذاکرہ

مہمانانِ گرامی: رضوان الرحمٰن رضی (معروف صحافی و دانشور)
ایوب بیگ مرزا (ناظم نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

میزبان: آصف حمید
مرتب: محمد خلیق

سوال: سانحہ بلدیہ ٹاؤن کیا تھا اور کیوں وقوع پذیر ہوا؟

ایوب بیگ مرزا: بلدیہ ٹاؤن کراچی میں 11 ستمبر 2012ء کو ایک فیکٹری میں آگ لگ گئی تھی، جس سے 258 افراد موقع ہی پر جل کر ہلاک ہو گئے جبکہ کافی تعداد میں لوگ زخمی بھی ہوئے۔ بتایا گیا ہے کہ یہ واقعہ بھتہ خوری کی خاطر رونما ہوا۔ فیکٹری مالک سے اگست 2012ء کے وسط میں 20 کروڑ روپے کا بھتہ طلب کیا گیا تھا۔ بھتہ پر سودا بازی ہوتی رہی لیکن جب بات نہ بن سکی تو 11 ستمبر کو وہاں پر آگ لگا دی گئی۔ سندھ ہائی کورٹ میں جوائنٹ انوسٹی گیشن ٹیم (JIT) کی رپورٹ جمع کرائی گئی۔ اس رپورٹ کے مطابق ایم کیو ایم کا رضوان قریشی جو سیکٹر 63 کا انچارج ہے، مرکزی ملزم ہے۔ جب بھتہ نہیں ملا تو یہ آگ ان کی طرف سے لگائی گئی۔ جے آئی ٹی کی رپورٹ کا خلاصہ 2013ء میں بھی سندھ ہائی کورٹ میں پیش کیا گیا تھا لیکن وہ کارروائی ''ان کیمرہ'' تھی۔ اس میں صرف یہ بتایا گیا تھا کہ اس واقعے میں ایک سیاسی جماعت ملوث ہے۔ موجودہ رپورٹ تفصیلی ہے۔ رضوان قریشی باقاعدہ گرفتار ہوا، اس کی ضمانت ہوئی ہے۔

سوال: جے آئی ٹی رپورٹ سے کیا مراد ہے؟ یہ اتنی تاخیر سے پیش کیوں ہوئی؟

رضوان الرحمن رضی: کسی بھی جرم یا واقعے کی تحقیقات حکومت کی ذمہ داری ہے، جس کے لیے مختلف ادارے قائم ہیں۔ جب کسی ادارے کی غیر جانبداری پر الزام لگ جائے تو حکومت تمام تحقیقاتی اداروں کے نمائندوں پر مشتمل ایک مشترکہ ٹیم تشکیل دے دیتی ہے، جو جوائنٹ انوسٹی گیشن ٹیم کہلاتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک رپورٹ سندھ حکومت نے بھی بنائی تھی، جس میں کسی بھی قسم کی سازش کو خارج از امکان قرار دیتے ہوئے اس سانحے کو شارٹ سرکٹ کا نتیجہ قرار دیا گیا تھا۔ ایم کیو ایم یہی رپورٹ پیش کرتی ہے۔ میرے صحافتی تجربے کے مطابق، ان رپورٹس کی بنیاد پر کسی شخص کے خلاف کوئی تعزیری کارروائی نہیں ہوسکتی۔ قانون یہ کہتا ہے کہ میڈیا کی حیثیت محض ایک بھونکنے والے کتے کی سی ہے جس کا کام یہ ہے کہ وہ چور کی طرف منہ کر کے بھونکے۔ اس کے بعد چوکیدار کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ اس چور کو پکڑے۔ اسی لیے جب میڈیا یا عدالتیں کسی واقعے کا نوٹس لیتی ہیں تو حکومت ایک تحقیقاتی ٹیم مقرر کرتی ہے۔ جے آئی ٹی کی رپورٹ بنیادی طور پر ان باتوں پر مشتمل ہوتی ہے جو مختلف جگہوں پر کہی اور سنی گئیں۔ چونکہ اس میں کوئی دستاویزی ثبوت نہیں ہوتا لہٰذا اس کی بنیاد پر کوئی کارروائی نہیں ہوسکتی، البتہ یہ کارروائی کے لیے سمت متعین کر دیتی ہے۔ سانحہ کے بیس دنوں کے بعد یہ رپورٹ چند لوگوں کی نظروں سے گزری تھی، جن میں میں بھی شامل تھا۔ بہت سارے حقائق کا اب میڈیا میں کوئی تذکرہ نہیں ہو رہا۔ سندھ کے گورنر ہاؤس سے ججز کو دھمکی آمیز کالز کی گئیں کہ مل مالکان کی ضمانت نہیں ہونی چاہیے۔ رؤف صدیقی صاحب کے موقع پر موجود ہونے کا کوئی جواز نہیں بنتا تھا۔ انہوں نے وہ انفراسٹرکچر گروایا، اور وجہ یہ بتائی کہ اس کی زمین فروخت کر کے ہم متاثرین کو پیسے ادا کریں گے۔ پھر انہوں نے پورا سسٹم ملیامیٹ کیا تاکہ کل کوئی ثبوت بچ نہ سکے۔ اب صرف یہی ایک رپورٹ ہے، باقی سارے ثبوت انہوں نے مٹا دیے ہوئے ہیں۔ یہ ہمارے اداروں کی ساکھ پر بہت بڑا سوال ہے کہ حادثے کے آٹھویں دن رپورٹ تیار ہونے کے باوجود تمام ثبوت ملیامیٹ ہونے دیئے گئے۔ اس وقت ان کو کارروائی کرنی چاہیے تھی۔

ایوب بیگ مرزا: یہ رپورٹ عوام اور میڈیا کے سامنے اسی وقت آئی جب سندھ ہائی کورٹ میں پیش ہوئی۔ رضوان رضی صاحب نے جو نشاندہی کی ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہوگی لیکن اس میں بھی اشارہ تو ایم کیو ایم ہی کی طرف جاتا ہے، کیونکہ رؤف صدیقی بھی ایم کیو ایم کے اہم رکن ہیں۔ رپورٹ میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ رضوان قریشی نے ایم کیو ایم کے کسی بڑے لیڈر کے فرنٹ مین کے طور پر کام کیا ہے۔ دراصل جے آئی ٹی یا دوسرے ادارے ہماری قوم ہی میں سے ہیں۔ جو حال ہمارا ہے، وہی ہمارے اداروں کا ہوگا۔

سوال: ملک بھر خصوصاً کراچی میں جب کوئی بڑا سانحہ ہوتا ہے تو عوامی سطح پر ایک سیاسی جماعت کی طرف انگلیاں اُٹھنا شروع ہو جاتی ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

رضوان الرحمن رضی: وہ جماعت ہمارے بہت سے اداروں کا سٹریٹیجک اثاثہ ہے، لہٰذا کوئی بڑی سے بڑی رپورٹ بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ ہمارے میڈیا اور ہماری سوسائٹی میں مسلسل ایک سوچی سمجھی مہم چلتی رہتی ہے اور بہت سارے لوگ اس کا شکار رہتے ہیں۔ اس کے تحت یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ بحیثیت مجموعی پاکستانی قوم کرپٹ ہے، اس نے 67 سال میں کچھ حاصل نہیں کیا۔ اس کے برعکس، درحقیقت ہم نے بہت سے میدانوں میں بڑی کامیابیاں سمیٹی ہیں۔ تاہم، میڈیا پر جاری مہم کا مقصد سیاست دانوں کی حیثیت کو کم کرنا تھا کہ وہ پولنگ بوتھ پر قبضہ کر کے مہریں لگاتے ہیں، کراچی واٹر سپلائی بورڈ کے سولہ ہزار ملازمین تنخواہ حکومت سے لیتے ہیں جبکہ ڈیوٹی وہ کہیں اور جا کے دیتے ہیں، کچھ سینیٹ کے الیکشن کا بھی معاملہ تھا۔ میڈیا پر ان کا بہت کنٹرول ہے جس کی وجہ سے وہ سندھ حکومت کو بڑا ٹف ٹائم دے رہے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سارا کچھ ان کو شٹ اَپ کال دینے کے لیے کیا گیا ہو۔ اب دونوں پارٹیاں صلح کر کے بیٹھی ہوئی ہیں۔ ہمارے ہاں یہ سب کچھ چلتا ہے!

ایوب بیگ مرزا: اصل معاملہ قومی سطح پر نااہلی کا

ہے۔تاریخ ہمیں نااہل ثابت کرتی ہے۔اس سانحے سے پہلے ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی آپس میں دست و گریبان تھے۔اس سانحہ کی وجہ سے خلیج زیادہ وسیع ہوگئی، لیکن جونہی سینیٹ کی چند سیٹوں کا معاملہ آیا تو ان کی خاطر ہمارے سیاست دانوں نے سب کچھ بیچ دیا۔ان سیاست دانوں کے لیے نااہل اور کرپٹ جیسے الفاظ بہت چھوٹے ہیں، حقیقت میں یہ قوم کے مجرم ہیں جو اتنا بڑا سانحہ چند سیٹوں کی خاطر بیچ دیتے ہیں۔ ہمارے سیاست دان جس سطح پر کرپشن کا مظاہرہ کر رہے ہیں، یہ دنیا میں آپ کو کہیں اور نظر نہیں آئے گا۔

سوال: تمام سیاسی جماعتوں نے فوجی عدالتوں پر رضامندی ظاہر کی ہے......

رضوان الرحمن رضی: ساری پارٹیوں نے اتفاق نہیں کیا، تین پارٹیوں یعنی پی ٹی آئی، جے یو آئی اور جماعت اسلامی کے اس پر اختلافی نوٹ ہیں۔اے پی سی کے 21 نکات میں سے 2 کو وہ نہیں مانتے، لیکن اس انتظار میں ہیں کہ سپریم کورٹ اس پر کچھ کہہ دے۔ سپریم کورٹ نے 18ویں ترمیم کیس کو التوا میں رکھا تھا، اب 18ویں اور 21ویں دونوں ترامیم کے کیس ملا کے وہ سماعت کرنے لگی ہے۔دیکھیں وہ کیا کہتی ہے!ایک مبہم قانون کے تحت کسی کی جان لینا قتل عمد ہی کی ایک صورت ہے۔شاید حکومت اس معاملے میں اسی لیے تاخیر کر رہی ہے کہ عدلیہ بھی اس پر اپنا موقف دے دے اور اگر کسی ترمیم کی گنجائش نکلتی ہو تو وہ کر کے قومی اتفاق رائے پیدا کیا جائے۔

سوال: ان تمام جماعتوں نے جو تائید کی کیا ہر ایک مجرم تھا یا ایک خاص جماعت کو سپورٹ کرنے کے لیے تائید کی کہ سارے جرم چونکہ ایک خاص جماعت سے نکل رہے ہیں؟

رضوان الرحمن رضی: جس جماعت کی طرف آپ اشارہ کر رہے ہیں وہ بھی اس ایکشن کو سپورٹ کرنے والوں میں شامل ہے۔ سیاست دانوں اور صحافیوں دونوں کے خلاف کیس فوجی عدالت میں نہیں جا سکتا۔صرف سیاست دانوں ہی کو نہیں بلکہ میڈیا کو بھی برا بھلا کہنا چاہیے، جس کے منہ میں یہ پہلی استثنا کی رشوت دی گئی اور اس نے ''بہت اچھا، بہت اچھا'' کہا۔ریاست ماں کی طرح ہوتی ہے، وہ سب کے ساتھ برابر کا سلوک کرتی ہے۔ جہاں بھی کسی سے امتیازی رویہ اپنایا جائے گا، آپ ریاست کے وجود کا جواز کھو دیں گے۔ قانون امتیازی نہیں ہوتا، البتہ اس پر عمل درآمد کے دوران تفریق آ سکتی ہے کیونکہ ہم بالآخر انسان ہیں۔

ایوب بیگ مرزا: یہ عجیب بات ہے کہ قانون کا بلا امتیاز نفاذ سیکولر طور پر بھی تسلیم شدہ ہے اور مذہبی طور پر بھی تسلیم شدہ ہے!

آصف حمید: دورِ نبوت میں ایک مخزومی خاتون تھی، جس کا نام فاطمہ تھا۔اس نے چوری کی۔ نبی اکرم ﷺ کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا تو آپؐ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ صادر فرمایا۔خاتون کے قبیلے والوں نے سزا کی معافی کے لیے حضرت اسامہ ؓ کو سفارشی بنا کر نبی اکرم ﷺ کے پاس بھیجا۔اس پر نبی اکرم ﷺ نے جو جواب دیا، وہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ اس کی روشنی میں ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹ دیتا۔ بے شک وہ لوگ جو تم سے پہلے ہلاک ہو گئے کہ ان میں سے اگر کوئی حیثیت والا چوری کرتا تھا تو وہ اس کو چھوڑ دیتے تھے، اور جب ان میں کوئی کمزور چوری کرتا تھا اس پر وہ قانون نافذ کر دیتے تھے یعنی حد نافذ کر دیتے تھے۔'' ہمارا دین تو سنہری اُصول دیتا ہے، کوتاہی ہماری ہے کہ ہم اس کو اختیار نہیں کرتے۔

سوال: ہمارے عدالتی نظام میں کسی واقعے کے حوالے سے لوگ گواہی نہیں دیتے، یا پھر گواہ ہی کو مار دیا جاتا ہے۔اس بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

ایوب بیگ مرزا: بلاشبہ ہمارے ملک میں اس طرح کے واقعات ہوتے ہیں۔ کراچی میں اس کی بہت زیادہ مثالیں ہیں۔ کراچی کے ایک صحافی ولی خان بابر کے قتل کے پانچ گواہ تھے، ان سب کو ہلاک کر دیا گیا۔اس کے علاوہ ججز کو بھی دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ بلدیہ ٹاؤن کیس کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ اس میں استغاثہ خود متاثر بلکہ مجرموں کا ساتھی ہے۔ لہٰذا وہ کس طرح معاملے کو تیزی سے بڑھائے! کبھی رپورٹ پیش نہیں ہوتی، کبھی بتا دیا جاتا ہے کہ آج فلاں جگہ پیشی کی وجہ سے تاریخ دے دیں۔ ایسے کیس میں پہلے تو تاخیری حربے استعمال کیے جاتے ہیں۔ دوسرے، مار دھاڑ سے کام لیا جاتا ہے۔ تیسرے، قوانین اس طرح کے بنے ہوتے ہیں کہ مجرموں کو فائدہ اُٹھانے میں بڑی سہولت رہتی ہے۔

آصف حمید: حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص چلا کسی فاسق کے ساتھ کہ اس کو قوت فراہم کرے اور وہ جانتا ہے کہ یہ فاسق ہے تو اس شخص نے اسلام کی جڑیں کھودنے میں مدد کی۔

سوال: محسوس کیا جا رہا ہے کہ حکومت بھی اس سانحے کے کیس کو آگے بڑھانے میں لیت و لعل سے کام لے رہی ہے، حالانکہ وہ بہت سے حقائق جانتی ہے۔ کیا آپ حکومت کو برابر کا مجرم نہیں گردانیں گے؟

رضوان الرحمن رضی: یہ بالکل درست ہے۔ عمران فاروق قتل کیس میں حکومت کے پاس دو ایسے گواہ ہیں جو missing link ہیں۔حکومت کہتی ہے کہ وہ اداروں کی تحویل میں ہیں جبکہ ادارے کہتے ہیں کہ وہ حکومت کے کنٹرول میں ہیں۔ بہر حال ہماری ریاست کے کسی نہ کسی ادارے کے پاس وہ موجود ہیں۔ اگر ان ملزموں کو برطانیہ کے حوالے کر دیا جائے تو لندن سے طویل ٹیلی فونک خطابات کا بھی خاتمہ ہو سکتا ہے۔ نہ جانے یہ گواہ پیپلز پارٹی کی حکومت نے کیوں نہیں دیئے؟ اور پھر موجودہ حکومت نے بھی کیوں نہیں دیئے؟ افغان طالبان کے حوالے سے نیویارک ٹائمز نے ایک رپورٹ شائع کی ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ طالبان کی مقبولیت کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو فوری انصاف فراہم کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں گورے نے جو اینگلوسیکسن لاء متعارف کروایا تھا، اسے ہم نے سینے سے لگا لیا لیکن انگریز نے اپنے ہاں اس کو متعارف ہی نہیں کروایا۔ یہ قانون فرسودہ ہو چکا ہے۔ اس میں بہت سی ترامیم کی ضرورت ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اس نظام کے سٹیک ہولڈرز میں سب سے بڑی تعداد وکلاء کی ہے اور اس سے کم تعداد جوڈیشل آفیسر یعنی ججز کی ہے۔ یہ لوگ ساری ساری عمر جدوجہد کرنے کے بعد جج بنتے ہیں۔ آپ انہیں کہیں کہ یہ سسٹم ہمیں قابل قبول نہیں ہے تو وہ آپ کو اُڑا کے رکھ دیں گے۔

ایوب بیگ مرزا: ابھی رضوان صاحب نے لندن سے ٹیلی فونک خطاب کی بات کی ہے۔اس بارے میں میرا یہ کہنا ہے کہ یورپ، امریکہ وغیرہ بھی صرف اپنے اندرونی معاملات میں دیانت دار ہیں۔ جب ان کا ملکی مفاد کسی دوسرے ملک سے حاصل ہو رہا ہو تو یہ انتہائی بددیانت بھی ہو جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ لندن سے

تین تین گھنٹے کی تقاریر کرنے والے صاحب ان کا اثاثہ ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کے ضمن میں محض اس کی ایک دھمکی سے ہم بہت سے کام کروا سکتے ہیں۔ عمران فاروق کے قتل کے حوالے سے رضی صاحب نے بالکل ٹھیک فرمایا ہے، لیکن الطاف حسین پر منی لانڈرنگ کا جو کیس بنا تھا وہ برطانیہ کے لیے قتل کے کیس سے کم نہیں ہے۔ منی لانڈرنگ کے حوالے سے ان کے پاس مکمل ثبوت آ گئے تھے، لیکن صرف الطاف حسین کو یرغمال بنا کر اور اس سے پاکستان میں کام لینے کے لیے اتنا بڑا ثابت شدہ کیس چھوڑ دیا گیا۔ اس کے گھر سے پیسے برآمد ہونے کے باوجود عدالت نے اسے کلیئر کر دیا۔

رضوان الرحمن رضی: میں اس میں تھوڑا سا اضافہ کروں گا۔ وہاں پر جب ثبوت برآمد ہوئے تو یہاں پر مختلف لوگوں کو کہا گیا کہ وہ اپنے خرچے پر لندن جائیں اور وہاں بیان دیں کہ یہ پیسے انہوں نے دیئے ہیں، ورنہ انہیں بتایا گیا کہ سانحہ بلدیہ ٹاؤن تو یاد ہوگا۔ یہ بس missing link تھا۔ یہاں پر حکومت اور معاشرے کی ذمہ داری تھی کہ ان لوگوں کو تحفظ فراہم کرتے تاکہ انہیں نہ جانا پڑتا۔ لیکن پاکستان سے کاروباری حضرات گئے اور انہوں نے وہاں جاکے بیانات ریکارڈ کرائے کہ یہ تو ہمارے پیسے ہیں اور ہم نے دیئے ہیں، حالانکہ انہوں نے نہیں دیئے تھے۔

آصف حمید: قرآن مجید کی ایک آیت پر ہم اپنے پروگرام کا اختتام کریں گے: ﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝﴾ (المائدہ:42) ''اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان لوگوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کریں۔ بے شک اللہ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

(اس پروگرام کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی آفیشل ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر خلافت فورم کے عنوان سے دیکھی جاسکتی ہے۔)

☆☆☆

بقیہ: اداریہ

اُدھر آسٹریلیا میں کرکٹ کا ورلڈ کپ ہو رہا ہے۔ پاکستان جُوا کے حوالہ سے بڑی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ کرکٹ ٹیم پے در پے شکست کھا رہی ہے اور اُس کے آفیشلز وہاں کے کسینو کو رونق بخش رہے ہیں۔ اس غریب قوم کی جیب سے لاکھوں روپے ماہوار تنخواہ لینے والے ہائے پیسہ ہائے پیسہ کی چیخ وپکار کر رہے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ بعض انتہائی بلند پایہ دانشور فرماتے ہیں کسینو جانا اور جوا کھیلنا ذاتی فعل ہے۔ اگر ہم مذہب اور ریاست کو ایک دوسرے کے لئے اجنبی کر دیں گے تو جوا کھیلنا ہی نہیں، شراب پینا اور رضامندی سے زنا کرنا سب ذاتی افعال ہیں۔ بہر حال ہم مسلمانان پاکستان ہوس زر میں دیوانے ہو چکے ہیں اور مجنوں کی طرح اپنی اس لیلیٰ کی تلاش میں ملک وقوم ہی نہیں دین و مذہب کو بھی داؤ پر لگا چکے ہیں۔ ہے کوئی جو ہمیں سمجھائے کہ کفن کی جیب نہیں ہوتی۔ لوٹ مار سے جمع شدہ دولت کے ہم کبھی مالک نہیں بن سکتے، زیادہ سے زیادہ وارث بن سکتے ہیں اور وراثت کو بالآخر منتقل ہونا ہوتا ہے۔ سکندر اعظم جیسا آدمی دنیا کا فاتح بھی یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اُس کے ہاتھ کفن سے باہر رکھیں جائیں تاکہ دنیا کو معلوم ہو کہ اتنی فتوحات کے بعد بھی میں دنیا سے خالی ہاتھ جا رہا ہوں۔ بھائی بند بھی قبر پر مٹی ڈال کر واپس آ جاتے ہیں۔ ساتھ صرف اعمال جائیں گے اور اُنہی پر دارومدار ہے ہمیشہ ہمیشہ کی جنت یا ہمیشہ ہمیشہ کی آگ کا۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے اور دعا ہے کہ اس آزمائش میں وہ ہمیں سرخرو کرے۔ آمین یارب العالمین

☆☆☆☆☆☆

بقیہ: ایک مسلمان ملک کی آپ بیتی

ورنہ میں خود بھی قیامت کے دن تمہارے خلاف گواہی دوں گا۔ اس وقت سے ڈرو کہ جب زمین تم پر تنگ کر دی جائے اور تم اِس آیت کے مطابق ہو جاؤ۔

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ (النحل:۱۱۲)

اور اللہ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے کہ (ہر طرح) امن چین سے بستی تھی۔ ہر طرف سے رزق بافراغت چلا آتا تھا۔ مگر ان لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے اعمال کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر (ناشکری کا) مزہ چکھا دیا۔

معاشرتی سطح پر میں ایک نظر مرد وزن کے کردار پر بھی ڈالتا ہوں تو میرا انگ انگ شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہے۔ جس طرح میری زمین پر رہنے والی بیٹیاں (جن کو اسلام نے حیا کی چادر اُوڑھائی تھی) کافروں اور شیطانوں کے پیچھے چل کر برہنہ ہو چکی ہیں اور شرم سے ڈوب مرنے کی بجائے برہنگی کو باعث عزت وفخر سمجھ رہی ہیں، یہ صورتحال ہم سب کے لئے باعث شرم ہے۔ ہائے افسوس کہ یہاں کے مرد نوجوان ہوں یا پختہ عمر کے، ان کے اندر سے مردانگی کا جنازہ نکل چکا ہے۔ عدل وانصاف کے نعرے لگانے والے بھی اس مقام پر بے انصاف ہیں۔ گویا اس بے حیائی کے حمام میں سبھی ننگے ہیں الا ماشاء اللہ۔ بہنوں، بیٹیوں اور ماؤں کی تمیز ختم ہو چکی ہے۔ مرد عورتیں اور عورتیں مرد بن چکی ہیں۔ ایسی شباہت پیدا کرنے والوں پر تو ہمارے نبی ﷺ نے لعنت فرمائی تھی۔

میں ایک مسلمان ملک اور مادر وطن ہونے کے باعث رو رو کے اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ خدایا! یہاں کے بسنے والوں کو معاف کر دے اور ہدایت کی راہ پر گامزن کر دے، اور شکوہ کرتا ہوں اپنی بے بسی کا۔ کون ہے جو میری فریاد سنے اور میرے رہنے والوں کو اصل منزل کی طرف گامزن کر دے، جو گمراہ ہو گئے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

حد درجہ جاہلیت

محمد عاطف، پشاور

مذہب ''اسلام'' کی اصل بنیاد یہ ہے کہ انسان اپنے حواس سے ماوراء کے بارے میں فیصلہ کرنے سے محروم ہے۔ اس کے لئے اسے لازماً خالق کی جانب رجوع کرنا ہوگا۔ لیکن تاریخ میں جب بھی انسان نے اپنی عقل سے کوئی نظام تخلیق کرنا چاہا تو اس نے نہ صرف خود کو تباہ کیا بلکہ اپنے ساتھ ساتھ اس معاشرے کو بھی تباہ و برباد کر دیا۔ کیونکہ انسان جب بھی اپنی عقل سے کوئی نظام ترتیب دیتا ہے تو اپنے ذاتی یا طبقاتی مفادات ہی کو پیش نظر رکھتا ہے۔ آج سے 400 سال قبل جب انگلینڈ رومن عیسائی چرچ سے علیحدہ ہوا تو کچھ وقت کے لئے انہیں ایک سیاسی بحران کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنے اس مسئلہ کے لئے انہوں نے الہامی کتابوں سے حل ڈھونڈنا شروع کیا۔ آخر کار یورپ نے چرچ کے کمزور پڑنے پر اپنے آپ کو قدیم روم کے ماڈل پر ڈھال لیا۔

رومیوں کی سیاسی سوچ بڑی حد تک یونانیوں کی سوچ پر قائم تھی۔ قدیم یونانی مشرک تھے اور تکبر کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ انسان اپنے دماغ سے سچائی کو جاننے پر قادر ہے، چاہے وہ جو کچھ بھی ہو۔ اس لئے وہ حکمرانی کو خدا کی بجائے انسانی علم تک محدود رکھتے تھے۔ ان کے مطابق لوگوں کو یا تو فرد واحد کی حکومت کے تحت رہنا چاہیے، یا ایک گروہ یا پھر تمام انسانوں کی مشترکہ حکومت کے تحت رہنا چاہیے۔ قدیم یونانیوں نے تین طرح کے نظاموں کی رہنمائی کی۔ جس کو آج سے 400 سال پہلے اپنایا۔

(1) بادشاہت (آمریت یا جبر کی حکومت)
(2) شرفاء کی حکومت (اعلیٰ طبقہ کی حکومت)
(3) جمہوریت (عوامی یا جہوم کی حکومت)

لیکن حد درجہ ناداں یونانی یہ تک نہیں سمجھ سکے کہ حکومت کے ضمن میں بنیادی ایشو ایک بندے، گروہ یا عوام کی حکومت نہیں ہے بلکہ بنیادی ایشو وہ اصول وضوابط ہیں جن پر حکومتی نظام قائم ہوتا ہے۔ پہلے سے طے شدہ اصول وضوابط کا فیصلہ کئے بغیر یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک مستحکم حکومتی نظام کا آغاز کیا جا سکے۔ لیکن یورپی ممالک نے اسی یونانی سوچ پر عمل کیا اور اسی سوچ کے مطابق اپنے لئے آئین تشکیل دیا۔ جس سے ان کی مراد بادشاہت، اعلیٰ طبقہ اور عوام کی حکومت کے نظاموں کو اکٹھا کرنا ہے۔ مثال کے طور پر انگلینڈ نے بادشاہی نظام، (ایوانِ بالا میں) اعلیٰ طبقہ اور (ایوانِ زیریں میں) عوام کے نمائندوں کو جمع کیا۔ یہی سوچ امریکی آئین میں بھی کارفرما تھی۔ جہاں صدر (جو بادشاہ کا نعم البدل ہے) اور سینٹ (جو اعلیٰ طبقے کی نمائندہ ہے) کے بارے میں اولاً یہی سوچ تھی کہ عوام انہیں براہ راست منتخب نہیں کریں گے۔ درحقیقت یہ طریقہ کار امراء کو اختیار دینے کا طریقہ ہے جس کے ذریعے اعلیٰ طبقہ کے دولت مند لوگ طاقت کو اپنے کنٹرول میں رکھتے ہیں۔ جب یورپ میں صنعتی انقلاب آیا تو یہ صنعتی دور آمریتی نظام کے سرمایہ دار طبقے کے غلبے کو مزید مضبوط کرنے کا باعث بنا۔

آئزک نیوٹن جسے دنیا ایک سائنسدان کے طور پر جانتی ہے اور اس کا بہت احترام کرتی ہے، اس کی مکاری اور عیاری سے اس دنیا میں جو توازن بگڑا، اس کی وجہ سے آج تک انسان خوفناک ظلم سہہ رہا ہے۔ برطانیہ کے ایک سرمایہ دار چارلس سے نیوٹن کی دوستی 1679ء میں شروع ہوئی۔ نیوٹن ایک غریب آدمی تھا، لیکن ذہین تھا۔ چارلس نے اس کے تعلیمی اخراجات اٹھائے اور بعد میں نیوٹن کو سکے ڈھالنے والے ٹیکسال کا انچارج (master of the miut) لگوایا۔ دوسری جانب چارلس نے 1694ء میں بنک آف انگلینڈ کی بنیاد رکھی، اور بنک آف انگلینڈ کا چارٹر (charter) بھی انگلستان کے یہودیوں نے حکومت برطانیہ کو مقروض کر کے حاصل کیا تھا۔ اس میں سب سے زیادہ قرضہ چارلس نے دیا تھا۔ نیوٹن کو یہ علم تھا کہ قدرت نے اس دنیا میں سرمائے کے توازن کے لئے سونے اور چاندی کے درمیان ایک بیس (1/20) کی شرح رکھی ہوئی ہے۔ 1717ء میں نیوٹن نے یہ شرح تبدیل کر کے ایک اور پندرہ (1/15) کر دی۔ یہ آغاز تھا، سونے کے سکوں کی قدر کم کر کے اور اسے مارکیٹ سے غائب کر کے کاغذ کے نوٹوں کو متبادل بنانے کا۔ پہلے چاندی نے اہمیت اختیار کی اور سونا سستا کیا گیا اور پھر دنیا بھر سے سونا خریدا گیا۔ آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی جب لوگوں سے ٹیکس وصول کرتی تو سونے کے سکوں میں کرتی اور چاندی کے سکے ناقابل قبول ہوتے۔ یوں یہ عالمی مافیا دنیا بھر سے وسائل اور سونا اکٹھا کرتا رہا۔

جب اس دولت اور لوٹ مار کی بدولت یورپ نے ترقی کرنا شروع کی تو اس کے تحفظ کے لئے ایک مضبوط جمہوری نظام قائم کیا گیا۔ تاکہ لوگوں کو یہ یقین دلایا جا سکے کہ یہ تمہاری حکومت ہے، یہ تمہاری دولت ہے اور اس کا تحفظ تم پر فرض ہے۔ لیکن بھولے بھالے عوام کو کیا خبر کہ پارلیمنٹ میں بیٹھے سب ارکان کٹھ پتلی ہیں۔ لیکن جب روس میں سوشلسٹ انقلاب آیا، تو یورپ نے اس کے خوف سے شہری سہولیات اور تھوڑی بہت سوشل سیکیورٹی میں اضافہ کیا۔ ورنہ اس سے پہلے انگلستان دنیا میں چائلڈ لیبر کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ جمہوریت بھی تھی، پارلیمنٹ بھی تھی، لیکن کوئی ایک بھی اس کے خلاف آواز نہ اٹھا سکا۔ یہ تو اشتراکی تحریک کی وجہ سے تھوڑا بہت ہوا۔ سود، سرمایہ، فوجی طاقت اور جمہوریت اب عوام کو مکمل طور پر بے وقوف بنانے کے لئے تیار تھا۔ اس کا بہترین راستہ میڈیا تھا۔ اور آج کا سارا میڈیا اسی مافیا کے کنٹرول میں ہے۔ ان پر نوٹوں کی بارش کی جاتی ہے، جس کے بدلے میڈیا وہی کرتا ہے جو وہ چاہتے ہیں۔ دنیا کو پہلے لوٹا گیا، پھر فوجی طاقت بنائی گئی۔ پھر کاغذ کے نوٹوں کو عام کیا گیا اور پھر ان کاغذ کے نوٹوں کے بدلے افریقہ اور ایشیا کی قیمتی فصلیں اٹھائی گئیں۔ عرب امارات، افریقہ اور ایشیا سے تیل، گیس، کپاس، سونا اور قیمتی دھاتیں چھین کر ان کے ہاتھ میں کاغذ کے نوٹ پکڑا دیئے گئے۔ پھر یہ ساری دولت اپنی مصنوعات بیچ کر واپس لی گئی۔ آج بھی یہ لوٹ مار جاری ہے اور اس کا تحفظ ان کے پیسے پر پلنے والی پارلیمنٹ، اسمبلیاں اور میڈیا کرتا ہے۔ واہ! کیا خوبصورت نظام ہے۔ دنیا کو آزادیٔ اظہار، انسانی حقوق اور عوام کی بادشاہت کے جھانسے میں الجھا کر لوٹ مار جاری رکھو اور جو ملک اس کو نہ مانے یا جن کو عقل آ جائے تو ان کا وہ حشر کرو کہ دنیا کانپ اٹھے۔

جمہوریت کے نا قابل عمل ہونے کے باوجود مغربی سیاستدان اپنے ملک اور دنیا بھر میں اس کا پرچار کرتے رہتے ہیں، اس کی دو وجوہات ہیں:

1۔ پہلی یہ کہ لفظ ''جمہوریت'' مغربی حکمرانی کے سرمایہ دار طبقے کے زیر اثر ہونے کی حقیقت پر پردہ ڈالنے میں بڑا مفید ہے اور مغربی ممالک میں تمام اہم فیصلے سرمایہ دار طبقے کے مفادات کے مطابق کیے جاتے ہیں۔

2۔ دوسری وجہ جمہوریت کی پکار کی اصل وجہ سرمایہ دارانہ نظریہ کی دنیا بھر میں تشہیر ہے اور یہی سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) سرمایہ دار طبقے کے مفادات کی حفاظت کرتا ہے اور آج تقریباً دنیا کے ہر ملک میں سرمایہ دارانہ نظام کا غلبہ ہے۔ پھر بھی ہم لوگ یورپ کو بہت ترقی یافتہ سمجھتے ہیں۔ آخر یہ ترقی یافتہ کہتے کس کو ہیں؟ کس بنیاد پر ہم یورپ کو ترقی یافتہ کہتے ہیں؟ اگر یورپ کی تقسیم دولت (Distribution of Wealth) کا جائزہ لیا جائے تو آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ یورپ میں صرف دس فیصد لوگوں کے پاس دولت کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ سوئٹزرلینڈ میں دس فیصد لوگوں کے پاس 71.3 فی صد دولت ہے۔ سویڈن میں دس فیصد لوگوں کے پاس 58.6 فی صد، اسی طرح ناروے میں 50.5 فی صد، ڈنمارک میں 65 فی صد، کینیڈا میں 53 فی صد، انگلینڈ میں 56 فی صد دولت پر صرف 10 فی صد، مایہ دار لوگوں کا قبضہ ہے۔

آج کی سب سے بڑی جمہوریت انڈیا ہے، جہاں کبھی فوج نے مارشل لاء نہیں لگایا۔ انڈیا کی کل آبادی تقریباً 1 ارب 20 کروڑ ہے، جس میں 90 کروڑ لوگ غریب ہیں۔ 50 فی صد بھارت پر صرف 34 خاندانوں کا کنٹرول ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا جاگیردارانہ نظام بھارت میں ہے۔ 10 لاکھ دیہات پانی سے محروم ہیں۔ صرف 3 کروڑ 50 لاکھ کل وقتی (permanent) اور باقی جزوی یا بے روزگار ہیں۔ ان سوالوں کا جمہوری نظام کے پاس کوئی حل نہیں۔

موجودہ دور کی سپر پاور (Super Power) امریکہ میں تو ظلم کی انتہا ہے، جہاں صرف ایک فیصد امیر امریکیوں کے پاس 42.1 فی صد دولت ہے۔ 19 فیصد لوگوں کے پاس 53.5 فی صد اور باقی 80 فیصد لوگوں کے پاس صرف 4.7 فی صد دولت ہے۔ وہاں تو مضبوط جمہوریت ہے، پارلیمنٹ بھی ہے، لیکن آج تک ان کی پارلیمنٹ نے اس غیر مساوی تقسیم (Unequal Distribution of دولت wealth) کو ختم کرنے کے لئے ایک بل بھی پیش نہیں کیا۔ امریکہ کے سرمایہ داروں نے ٹیکس سے بچنے کے لئے 32 ٹریلین ڈالر چوری کر کے کیملن آئس لینڈ (Camelen Island) میں رکھے ہوئے ہیں جبکہ امریکہ کی کل خام ملکی پیداوار (GDP) 15 ٹریلین ڈالر ہے اور ان کا کل قرضہ 16 ٹریلین ڈالر ہے اور ان چند سرمایہ داروں کی دولت امریکہ کی GDP اور مجموعی قرضہ سے بھی زیادہ ہے۔ ان سرمایہ داروں کی یہ رقم امریکہ لانے کے لئے امریکہ میں کوئی کچھ نہیں کرتا۔

دنیا کی سب سے غلام قوم امریکن ہیں۔ پورے امریکہ پر یہودیوں کا قبضہ ہے جنہوں نے امریکیوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ امریکہ کی گورنمنٹ خود ڈالر نہیں چھاپ سکتی، اس کے لئے اسے ایک پرائیویٹ بینک Federal Reserve Bank of USA سے رجوع کرنا ہوتا ہے۔ امریکہ میں موجود واشنگٹن مونومنٹ، وال سٹریٹ اور وائٹ ہاؤس جیسی مشہور عمارتیں صرف اور صرف امریکہ کی بدمعاشی کی وجہ سے قائم ہوئیں اُس نے ساری دولت افریقہ، ایشیا اور عرب امارات کے وسائل کو چوری یا زبردستی چھین کر یا دھوکا دہی سے حاصل کی۔

جمہوریت کا لفظی مطلب عوام کی حکومت ہے اور یہ ایک ایسی سوچ ہے جو کہ یہودیت، عیسائیت اور اسلام تینوں مذاہب کے خلاف ہے۔ جمہوریت لوگوں کو رب کی عبادت سے ہٹا کر انسانوں کی عبادت کا درس دیتی ہے۔ یہ صرف اسلام کا حکومتی نظام ہی ہے، جو لوگوں اور مذہب کو سیکولرزم (Secularism) کے زہر سے چھٹکارا دلاتا ہے۔ تمام مسلم ممالک وہ وقت یاد کریں جب خلافت عثمانیہ نے 5 جون 1795 کو ہونے والے معاہدے میں امریکہ کو جزیہ دینے پر مجبور کیا تھا۔ اس معاہدے کے تحت 6 لاکھ 42 ہزار سونے کے ڈالر اور 1200 عثمانی سونے کے لیرے امریکہ کو ہر سال ادا کرنے کا پابند تھا۔ یہ امریکی تاریخ کا وہ واحد معاہدہ ہے جو کہ امریکہ کی اپنی زبان میں تحریر نہیں کیا گیا لیکن پھر بھی امریکہ نے اس پر دستخط کئے۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے صاف ستھری، سیدھی اور واضح بات یہ ہے کہ وہ جمہوریت، سوشلزم اور کیپٹلزم کو چھوڑ کر خلافت کا نظام قائم کریں۔ اسی میں ہمارا فائدہ ہے۔

غلبۂ اقامتِ دین کی جدوجہد کا حُدی خواں — تنظیم اسلامی کی انقلابی دعوت کا ترجمان

ماہنامہ میثاق لاہور

شمارہ مارچ 2015ء، جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ

اجرائے ثانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ علیہ

مشمولات

☆ فرقہ وارانہ دہشت گردی: پشتیبان کون اور کیوں؟ — ایوب بیگ مرزا

☆ وجوبِ التزامِ سُنّت (مطالعۂ حدیث) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

''اسلام اور ریاست: ایک جوابی بیانیہ'' از جاوید احمد غامدی کے جواب میں اصحابِ علم وفضل کی تحریریں:

☆ اسلام اور ریاست — مفتی محمد تقی عثمانی

☆ اسلام اور ریاست — ابتسام الٰہی ظہیر

☆ اسلام اور ریاست — ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

☆ مسلم وحدت: مابین فقہائے اسلام وغامدی — حامد کمال الدین

☆ پارلیمنٹ کے فیصلوں سے انکار کیوں؟ — انصار عباسی

محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا ''بیان القرآن'' باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے!

☆ صفحات: 100 ☆ قیمت فی شمارہ: 30 روپے ☆ سالانہ زرتعاون (اندرون ملک) 300 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور

غیر اسلامی خرید و فروخت کا رواج

حسین الرحمٰن

جس شے کا آدمی مالک نہ ہو، اس کی خرید و فروخت سے شریعت نے منع فرمایا ہے، کیونکہ بیع تو تب ہوگی جب وہ چیز انسان کی ملکیت میں ہو اور وہ عندالوقت اسے حوالہ کرنے پر قدرت بھی رکھتا ہو۔ آج کل مارکیٹوں میں جو نقصان ہو رہا ہے، اس کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ ایک شے مارکیٹ میں موجود ہی نہیں اور نہ فروخت کرنے والے کو اس پر قدرت ہی ہوتی ہے، اس کے باوجود اس شے کو فروخت کیا جا رہا ہوتا ہے اور اس کا سودا آگے لوگوں کے درمیان طے ہوتا جاتا ہے۔ اسلام نے انسانوں کے لئے ہر چیز کی ایک حد مقرر کی ہے جس میں خود انسان ہی کا فائدہ ہے۔ اسلام انسان کی جان کے ساتھ ساتھ مال کو بھی تحفظ فراہم کرتا ہے۔

کچھ دن پہلے ایک شخص سے بات ہوئی، اس کا واسطہ مارکیٹ اور اس کے اندر ہونے والے معاملات سے بہت زیادہ تھا بلکہ یوں کہئے کہ وہ مارکیٹ کا ایک خاص آدمی تھا۔ میں نے اس سے مارکیٹ کے لین دین کے بارے میں دریافت کیا، تو اس نے میرے سوال کے جواب میں ایک بات کہی کہ مارکیٹ میں جتنے بھی لوگ ہیں اُن کی اکثریت ایسی شے کی خرید و فروخت کرتی ہے کہ جس کا کوئی وجود ہی نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اس پر قادر ہوتے ہیں کہ اس شے کو سامنے پیش کرسکیں۔ پھر اس نے تفصیل سے بات شروع کی کہ ہوتا یوں ہے کہ ایک شخص نے بات کی کہ میرے پاس فلاں شے ہے اور اس کی اتنی قیمت ہے، دوسرے نے اُس کو پیسے دیئے اور رسید لے لی۔ اب یہ دوسرا بندہ، وہ رسید لے کر تیسرے کے پاس جاتا ہے اور اس کو کہتا ہے کہ میرے پاس فلاں شے ہے اور اتنی اس کی قیمت ہے اور اس کو اپنی رسید دیتا ہے۔ اس طرح سے یہ معاملہ آٹھ سے دس افراد کے درمیان طے ہو جاتا ہے۔ لیکن جب مال دینے کا وقت آتا ہے تو مال سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ اُس مال کی قیمت میں اگر اضافہ ہو جائے تو اس صورت میں سب سے آخر میں خریدنے والا آدمی اپنے فروخت کنندہ سے رجوع کرتا ہے اور وہ اپنے فروخت کنندہ سے۔ اس طرح یہ سلسلہ چلتے چلتے دوبارہ پہلے بندے تک پہنچ جاتا ہے، لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ اور قیمت میں بہت فرق واقع ہو چکا ہوتا ہے۔ پہلا فروخت کنندہ اگر حاضر بازار سے وہ شے خرید کر بھگتائے تو اُسے بہت بڑا نقصان ہوتا ہے جس سے اُس کے دیوالیہ ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ مال بھگتانے سے انکار کر دیتا ہے اور بعض اوقات اپنا اڈہ چھوڑ کر غائب ہو جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اب بیچ کے آٹھ دس افراد کے درمیان جھگڑا شروع ہو جاتا ہے کیونکہ قیمت میں اضافہ کی وجہ سے سب نے کاغذات میں اپنا اپنا نفع درج کر لیا ہوتا ہے۔ اور اگر نرخ کم ہو جائیں تو پہلا فروخت کنندہ رابطہ کرتا ہے اور بات آگے چلتی ہے لیکن مال اٹھانے کو کوئی تیار نہیں ہوتا۔ لہٰذا دونوں صورتوں میں لڑائی جھگڑا شروع ہو جاتا ہے اور بسا اوقات معاملہ اتنا گھمبیر ہو جاتا ہے کہ ایک دوسرے کی جان لینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ ان سب حضرات کا پیسہ ڈوب جاتا ہے۔ اکثر حضرات دیوالیہ ہو جاتے ہیں۔ کاروباری حضرات کی حالت دیکھ کر یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کبھی وہ بڑا کاروبار کرتے تھے۔ بڑے بڑے دیندار لوگ بھی اس معاملے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ شریعت کے ایک حکم کی پاسداری نہ کرنے کی وجہ سے ہوا۔

اگرچہ شریعت نے بیع سلم کو جائز قرار دیا ہے جس میں پیسے پہلے وصول کئے جاتے ہیں اور مبیع بعد میں دی جاتی ہے، مگر اس کے لئے چند شرائط مقرر کی ہیں، مثلاً اس مبیع کا وصف معلوم ہو، جنس معلوم ہو، قدر معلوم ہو، مبیع سپرد کرنے کا وقت معلوم ہو وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح اور بھی شرائط ہیں، اگر سودا ان شرائط کے موافق نہ ہو تو پھر اس کی اجازت نہیں ہے۔

مارکیٹ میں اس طرح کی خرید و فروخت اگر کامیاب ہو بھی جائے یعنی مال پہنچ بھی جائے تو اس میں بڑی خرابی یہ ہے کہ ایک شے جسے خریدا جا رہا ہے، اپنی قیمت سے کئی گنا مہنگی خریدی جاتی ہے۔ اس میں نقصان عام خریدنے والوں کا ہوتا ہے۔ شریعت نے نفع کے لئے کوئی حد تو مقرر نہیں کی لیکن نفع اتنا بھی نہیں ہونا چاہیے جس سے لوگوں کو تکلیف ہو۔ 5 روپے کی شے 50 میں خریدنا اس سے اور بڑھ کر تکلیف کیا ہوسکتی ہے۔ اس طرح کے معاملات میں اور بھی امور فاسدہ ہیں۔ ان امور فاسدہ کی وجہ سے شریعت نے اس طرح کے معاملات سے منع فرمایا ہے۔

بسا اوقات ایک دوکاندار اپنی اشیاء فروخت کرنے کے لئے طرح طرح کے حیلے بہانے کرتا رہتا ہے۔ کبھی نقل کو اصل کی صورت میں پیش کر کے فروخت کرتا ہے، کبھی کہے گا کہ پوری مارکیٹ میں اعلیٰ معیار کا مال صرف اور صرف ہمارے پاس ہی فروخت ہوتا ہے، باقی حضرات تو جعلی مال فروخت کرتے ہیں۔ عام اصطلاح میں اسے دو نمبر مال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کبھی گاہک کے نزدیک آکر اس کے کان میں کہے گا کہ اصل میں اس شے کی قیمت زیادہ ہے، لیکن صرف آپ کے لئے کم کر دیتا ہوں۔ حالانکہ اس کو اصل قیمت سے زیادہ بتاتا ہے۔ اور پرانی قیمت پر فروخت کر دیتا ہے۔ غرض طرح طرح کے جھوٹ بول کر اپنا مال فروخت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سے شریعت نے منع فرمایا ہے۔ جو رزق آپ کے مقدر میں ہوگا وہ آپ کو ملے گا۔ اس کے لیے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں اور سچ بولنے کے بہت سے فوائد ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے کاروبار میں برکت ہوگی، دوسرے یہ کہ جس کو بھی آپ مال فروخت کریں گے دوسری مرتبہ بھی وہ آپ ہی کے پاس آئے گا۔ اور تیسرا اہم فائدہ یہ ہے کہ ثواب بھی ملے گا۔ کاروبار تو ایسے بھی کرنا ہے کیوں نہ سچ بول کے کیا جائے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ دوکان کے باہر بڑے بڑے حرفوں میں لکھا ہوتا ہے کہ ”خریدا ہوا مال واپس یا تبدیل نہیں ہوگا۔“ یہ بات بھی شریعت کے منافی ہے۔ اس لئے کہ جب ایک آدمی کو مال پسند نہیں آیا یا اس میں سے کوئی نقص نکل آئے تو وہ کیا کرے گا جبکہ اس کے لئے وہ چیز کسی کام کی نہیں۔ اُسے اس بات کا حق ہے کہ اس شے کو واپس کرے۔ بیرون ممالک کے اکثر سپر سٹوروں میں لکھا ہوتا ہے کہ 3 یا 7 دن کے اندر خریدی ہوئی شے واپس ہوسکتی ہے، یہاں تک کہ اگر اس میں آپ سے کوئی نقص بھی پیدا ہو جائے تب بھی وہ لوگ اس نقصان کی قیمت وصول کر کے باقی رقم آپ کو واپس کر دیتے ہیں۔ یہ اسلام کی تعلیم ہے، لیکن اس پر عمل غیر مسلم کر رہے ہیں۔ آیئے عزم کریں آج کے بعد ہم صرف اور صرف سچ ہی سے کاروبار چلائیں گے۔ اسی میں دین و دنیا کی فلاح مضمر ہے۔

ایک مسلمان ملک کی آپ بیتی

ام عمار عبدالخالق

میں ایک مسلمان ملک ہوں۔

میں کون ہوں؟ میرے وجود کی غرض و غایت کیا تھی؟ اور مقصد حیات کیا تھا؟ مجھے کچھ معلوم نہیں، بس اتنا معلوم ہے کہ میں بھی ایک عام ملک ہوں دوسرے ممالک کی طرح۔ میرے اندر رہنے والے 95فی صد لوگ پیدائشی مسلمان ہیں۔ مگر انہیں اسلام کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ چونکہ یہاں ہندو، عیسائی وغیرہ بھی آباد ہیں اور ہمیں چونکہ اپنے مذہب کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تو ہم اور ہمارے رہنے والے مسلمان بس نام کے مسلمان ہیں اور عملاً ہندو یا عیسائی لگتے ہیں۔ ان کے تمام تہوار، رسومات ہم نے اپنائی ہوئی ہیں۔ ویلنٹائن ڈے کو ہی دیکھ لیں، یہ عیسائیوں کے کلچر کی رسم ہے۔ وہ تو پتہ نہیں اس رسم کو اتنا اہم سمجھتے ہیں یا نہیں، البتہ ہم اِس رسم پر مر مٹے ہیں۔ سچ ہے، جس سے محبت ہوتی ہے اسی کی عادتیں اور طور طریقے اپنائے جاتے ہیں۔ میری ہر دوکان، ہر جگہ، ہر سکول، کالج، یونیورسٹی غرض ہر ادارہ اور ہر گھر سرخ سرخ پھولوں اور عیسائیوں کی محبت سے سرشار ہے۔ گویا ہم نے اپنے قول وفعل سے ظاہر کر دیا کہ ہم تو بس نام کے مسلمان ہیں۔ کام تو ہمیں سارے تم لوگوں کے پسند ہیں۔ پچھلے دنوں توہین رسالت کی ناپاک جسارتوں کے خلاف مظاہرے ہوئے۔ ہمارے نبی پاک ﷺ کی توہین کرنے والے ابلیسی ٹولے کی ہم میں سے ہر ایک نے مذمت کی، کہ آپؐ کی ناموس پر مر مٹنا ہمارے ایمان کا حصہ ہے، لیکن ہم نے نبی پاک ﷺ سے محبت کا وہ انداز نہ اپنایا جو آپ کی اتباع اور پیروی پر آمادہ کرتا ہے، جس سے کفار کے دلوں پر برچھیاں چلتی ہیں۔ افسوس کہ عشق نبی کا دعویٰ کرنے والے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد آج ویلنٹائن ڈے منانے کی فکر میں پاگل ہوئی جا رہی ہے۔ یہ میرے رہنے والوں کا حال ہے۔

مجھے اتنا یاد ہے کہ میں ایک مسلمان ملک ہوں، جس کا عقیدہ کلمہ طیبہ ہے۔ جو کلمہ طیبہ کے نام پر بنایا گیا تھا اور جس کا مقصد حیات یہ تھا کہ یہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نظام قائم کیا جائے گا۔ علامہ اقبال اور قائداعظم کا مشن اور خواب قیام پاکستان کی شکل میں نفاذ اسلام تھا۔ یہ سب کچھ اب خواب نظر آ رہا ہے۔ میرے ایک ایک بچے سے لے کر حکومت کے اعلیٰ حکام تک کا مشن بس یہ ہے کہ جب تک زندگی اور اختیار ہے ہم ہندوؤں اور عیسائیوں کے غلام بنے رہیں۔ اسی کو کہتے ہیں ''منافقت'' اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ۔

اسی فروری کے مہینے میں ایک ہندو تہوار بھی آتا ہے جس کو ''بسنت'' کہتے ہیں۔ یہ بھی مسلمانوں کا نہیں بلکہ ہندوؤں کے کلچر کا حصہ ہے۔ یہاں کے رہنے والے مسلمان یہ تہوار بھی منانا بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ کاش! میرے رہنے والوں کی اکثریت جس طرح ان سے محبت کا اظہار کرتی ہے اگر پیارے نبی اکرم ﷺ کے طریقوں سے بھی محبت کا اظہار کرتی تو آج دنیا ہمیں رشک بھری نگاہ سے دیکھتی اور ہمارے ایمان میں بھی اضافہ ہوتا۔ لیکن میں کیا کروں، میرے رہنے والوں کو تو دین کے مطالبات کا پتہ ہی نہیں، ان کے عقیدوں میں عملی شرک ہے۔ عبادات میں ریاکاری ہے۔ ساری رسومات پیدائش سے لے کر بچے کی شادی تک، مرگ کی ساری رسومات پیارے نبی ﷺ کی تعلیمات سے کوسوں دور ہیں۔

اسی طرح میرے اعلیٰ حکام کی سیاست نفس پرستی اور مغرب پرستی کی منہ بولتی تصویر ہے۔ ہمارے نبی ﷺ نے تو سیاست کو خلافت کا نام دیا تھا جس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دیئے ہوئے قانون کے مطابق چلنا ضروری تھا۔ اس کو تو ہم نے پس پشت ڈالا ہوا ہے۔ اسی طرح میرا معاشی ڈھانچہ ہے، جو کُل کا کُل کافروں کی مرضی پر چل رہا ہے۔ یعنی ان کی مرضی کے مطابق جنہوں نے توہین رسالت میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ ہمارے پورے نظام کی رسی ہم نے ان ہی کو تھمائی ہوئی ہے۔ تو ہم یہود وہنود ونصاریٰ کی مخالفت کیسے کریں؟ میرا معاشرتی نظام بھی ان کی انگلیوں پر ناچ رہا ہے۔ مختلف قسم کے ''ڈیز'' جیسے برتھ ڈے، بسنت ڈے، ویلنٹائن ڈے، مدر ڈے، کرسمس ڈے منانا میرے باسیوں کا شوق ہے۔ میرا تھن ڈے ہو یا کچھ اور ہماری معاشرت ان کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ عیسائی اپنے ملک کی رسومات ادا کرتے ہیں۔ یہودی اور ہندو اپنے اپنے ملک کی رسومات ادا کرتے ہیں۔ لیکن میرے رہنے والے مسلمان ان تینوں کی رسومات ادا کرتے ہیں۔ مغرب میں توہین رسالت کی ناپاک جسارتیں کرنے والے تو ابلیس کے ایجنٹ ہیں، مگر ہم جو آپؐ کے طور طریقوں کو ترک کر کے کفار کے طریقے اپناتے ہیں، کس زمرے میں آتے ہیں۔ ذرا سوچئے کیا یہ رویے بھی توہین آمیز نہیں ہیں؟ کیا ہم پیارے نبی ﷺ کی تعلیمات کے مطابق شادی اور مرگ کی رسومات ادا کرتے ہیں یا پھر کافروں کے طریقے کی پیروی کرتے ہیں۔

یہ زمین، یہ ملک اللہ کا ہے۔ تو کیا یہاں کے رہنے والوں کے گھروں میں گلیوں، بازاروں معاشرے اور شہروں میں اللہ کا حکم چل رہا ہے؟ یا یہود ونصاریٰ کا؟ ان سب کو تو پیارے نبی ﷺ نے اور قرآن نے ہمارے یعنی مسلمانوں کا دشمن قرار دیا تھا اور فرمایا تھا کہ ان سب کو تم ہمیشہ اپنا دشمن سمجھو لیکن ہماری بربادی کہ میرے سمیت تمام اسلامی ملکوں کا وجود ہی ان دشمنوں کے دم خم سے ہے۔ ہماری تمام امیدیں ان سے وابستہ ہیں۔ ان کی خوشی میں ہماری خوشی اور ان کا دکھ ہمارا دکھ ہے۔ مجھے تو پیارے نبی ﷺ کی یہ حدیث جو مسلم شریف میں ہے یاد آ رہی ہے کہ پیارے نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن میں اپنی امت کے ایک گروہ سے منہ موڑ لوں گا۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ کون لوگ ہیں؟ تو پیارے نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے میرا طریقہ، میرا رستہ چھوڑ کر غیر مسلموں کا راستہ اپنایا ہوگا۔

میرے وجود کو اسلام کے نام پر بنے ہوئے 70 سال ہونے کو ہیں۔ میرا پورا وجود مطالبہ کر رہا ہے اپنے رہنے والوں سے کہ خدا کے لیے یہاں اسلام کا نام روشن کرو، پیارے نبی ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر چلو۔

(باقی صفحہ 12 پر)

حلقہ پنجاب شمالی کے زیر اہتمام اجتماع نقباء وذمہ داران

حلقہ پنجاب شمالی کے زیر اہتمام یکم فروری 2015 بروز اتوار نقباء و ذمہ داران کے لئے ایک خصوصی تربیتی اجتماع کا انعقاد کیا گیا، جس کا آغاز صبح ساڑھے آٹھ بجے درس قرآن سے ہوا۔ مدرس حافظ عزیز الحق نے سورۃ الفتح کی آیت نمبر 29 کی روشنی میں اقامت دین کی جدوجہد کرنے والوں کے مطلوبہ اوصاف بیان کئے۔ انہوں نے کہا کہ جب تک یہ اوصاف ہم میں پیدا نہیں ہوں گے اس وقت تک اقامت دین کی جدوجہد کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتی۔ اقامت دین کی جدوجہد کرنے والوں کے لئے سب سے پہلا وصف نظم کی پابندی ہے۔ نظم کی پابندی کے لئے سمع طاعت کا ہونا ضروری ہے اور سمع وطاعت کے لیے مسنون تنظیمی اساس بیعت ہے۔ جبکہ دوسری بنیاد اس جماعت کے شرکاء کا باہمی تعلق ہے۔ وہ آپس میں شدید محبت کرنے والے اور کفار کے مقابلے میں سخت ہوں۔ کوئی چیز انہیں ان کے موقف سے نہ ہٹا سکے۔ صحابہؓ کی آپس میں محبت اور ایثار کے واقعات بیان کرتے ہوئے انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ہم نقباء تنظیم کو رفقاء سے محبت وایثار کی مثالیں قائم کرنی ہوں گی۔ تیسری بنیاد ذوق عبادت کے ذریعے اللہ سے زیادہ سے زیادہ مدد مانگنا ہے۔ کیونکہ اللہ کی خصوصی مدد جب تک نہ آئے اقامت دین کی منزل کا سر ہونا محال ہے۔ عبادت کا محرک اصلی اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا کی تلاش ہے۔ مدرس نے سورۃ المائدہ کی آیت 54 کے حوالے سے بھی اہل ایمان کے اوصاف بیان کئے۔ بعد ازاں حلقہ پنجاب شمالی کے ناظم تربیت رانا منیر احمد نے ''تربیت کے تدریجی مراحل'' کے حوالے سے مرکز سے آمدہ سرکلر کا تفصیلی مطالعہ کرایا، تا کہ نقباء کے سامنے واضح ہو سکے کہ تنظیم میں نئے شامل ہونے والے رفیق کو کس طرح سہ ماہی بنیادوں پر تربیتی مراحل سے گزارنا ہے۔ انہوں نے اپنی گفتگو کے دوران نقباء کی طرف سے کیے جانے والے سوالات کے جوابات دیے۔ اس کے بعد چائے کا وقفہ ہوا۔ گیارہ بجے حلقہ کے ناظم دعوت عبید شاہد ڈار نے ملٹی میڈیا کے ذریعہ حلقہ کے زیر اہتمام گزشتہ تین سال کا دعوتی جائزہ اور دعوتی اہداف پیش کیے اور دوران گفتگو نقباء کی طرف سے کیے جانے والے سوالات کے جوابات دینے کے ساتھ ساتھ تجاویز اور مشورہ جات کو بھی نوٹ کیا، تا کہ ان کی روشنی میں آئندہ نظام دعوت کو بہتر بنایا جا سکے۔

راقم نے ناظم دعوت کے حکم پر حلقہ پنجاب شمالی کے زیر اہتمام آئندہ دو روزہ مجوزہ دعوتی پروگرام کا خاکہ اور اس کے اہداف مختصراً شرکاء کے سامنے پیش کئے۔ نماز ظہر اور کھانے کے وقفہ کے بعد سوا دو بجے پروگرام کے آخری سیشن کا آغاز مذاکرہ سے ہوا جس کا موضوع ''نظام العمل اور دستور'' تھا اور اسے پیش کرنے کی ذمہ داری ناظم حلقہ راجہ محمد اصغر کی تھی۔ انہوں نے ملٹی میڈیا کی مدد سے نظام العمل اور دستور کے تمام نکات کو سوال وجواب کی صورت میں ''کوئز'' کے انداز میں پیش کیا۔ دوران گفتگو سوالات کے تسلی بخش جوابات بھی دیے۔ انہوں نے ذمہ داران پر زور دیا کہ وہ وقتاً فوقتاً نظام العمل اور دستور کا مطالعہ کرتے رہیں، تا کہ تنظیمی امور پر ان کی گرفت مضبوط ہو سکے اور رفقاء کی بہتر انداز میں راہنمائی کر سکیں۔ پروگرام کا اختتام عصر کی نماز سے پہلے مسنون دعا پر ہوا۔ نماز عصر کی ادائی کے بعد رفقاء ایک نئے عزم اور جذبے کے ساتھ اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اقامت دین کی جدوجہد کے لیے کی جانے والی اس کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین (مرتب: عبدالرؤف: ناظم نشر واشاعت حلقہ پنجاب شمالی)

حلقہ کراچی جنوبی کے زیر اہتمام سہ ماہی تربیتی اجتماع

حلقہ کراچی جنوبی کا سہ ماہی تربیتی اجتماع بعنوان ''سالانہ اجتماع'' قرآن اکیڈمی ڈیفنس میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع کا دورانیہ صبح 8 سے دوپہر 12:55 تک تھا۔

اجتماع کے آغاز میں حلقہ کے ناظم تربیت ڈاکٹر محمد الیاس نے اجتماع کی ترتیب اور موضوع کی غرض وغایت سے شرکاء کو آگاہ کیا۔ بعد ازاں ملیر تنظیم کے مقامی امیر راشد حسین شاہ نے آیات قرآنی کی روشنی میں ''دین کے لیے محنت اور قربانی'' کے موضوع پر بیان کیا۔ تذکیر بالحدیث کے ضمن میں ''دین کے راستے میں سفر ومجاھدہ'' کے موضوع پر حافظ محمد وقار نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور تابعین کی زندگیوں سے مثالیں دیتے ہوئے ہمیں ان نفوس صالحہ کے حالات زندگی کا مطالعہ کرتے ہوئے وہ جذبہ اخذ کرنا چاہیے جس سے سرشار ہو کر انہوں نے خود کو سمع وطاعت کا حامل بنایا اور اپنے امیر کی اطاعت کا حق ادا کر دیا تھا۔ اس مرتبہ سہ ماہی تربیتی اجتماع میں 'مطالعہ قرارداد تاسیس' کا اہتمام بھی کیا گیا، جس کی ذمہ داری امیر حلقہ انجینئر نعمان اختر نے سرانجام دی۔ اس دوران رفقاء کو یاددہانی کروائی گئی کہ دین کے جملہ احکامات کا اصل مخاطب فرد ہے اور اس کا اصل نصب العین اللہ کی رضا کا حصول ہے۔ جبکہ تنظیم اس کے لیے ہماری ممد ومعاون ہے۔ اس فکر سے آراستہ رفقاء کا ہر عمل خلوص سے پُر اور ریا ودکھاوے کی ہر صورت سے پاک ہو، اور جماعتی زندگی میں نظم وضبط، اجتماعات میں حاضری اور دیگر ذمہ داریاں انہیں بوجھ نہیں بلکہ نعمت معلوم ہوں اور وہ دین کے انفرادی واجتماعی کاموں کو اللہ کی رضا کے لیے انجام دیں۔ دوران مطالعہ رفقاء سے بھی سوالات کیے جاتے رہے جس میں رفقاء نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان کے بعد سالانہ اجتماع میں ترغیب وتشویق کے لیے تین رفقاء (کرنل محمد امین، ڈاکٹر محمد الیاس اور راقم) نے سابقہ سالانہ اجتماعات کے حوالے سے اپنے اپنے تاثرات بیان کیے اور رفقاء کو سالانہ اجتماع میں بھرپور جوش و جذبہ کے ساتھ شریک ہونے کی ترغیب دلائی۔ چائے اور باہمی ملاقات کے لیے آدھا گھنٹہ دیا گیا۔ دوران وقفہ امیر حلقہ اور صدر انجمن ثاقب رفیع شیخ صاحبان نے ان رفقاء سے ملاقات کی جنہوں نے انجمن کی رکنیت ابھی تک حاصل نہیں کی تھی۔ انہوں نے انجمن خدام القرآن اور تنظیم کا باہمی ربط واضح کیا اور رفقاء کو انجمن کی رکنیت حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ الحمدللہ کافی رفقاء نے اسی وقت انجمن کی رکنیت حاصل کی۔ وقفے کے بعد حلقہ کے ناظم توسیع دعوت جناب عامر خان نے گفتگو کی۔ بعد ازاں محمد نعمان نے ''سالانہ اجتماع اور تنظیم'' کے موضوع پر پُر اثر بیان کیا۔ حلقہ کے ناظم دعوت جناب حافظ عمیر انور نے ''سالانہ اجتماع اور تزکیہ وتربیت'' کے عنوان پر تذکیری بیان کیا۔ حلقہ کے ناظم تربیت ڈاکٹر محمد الیاس نے ''موجودہ دھرنے اور ہمارا منہج'' کے موضوع پر بذریعہ ملٹی میڈیا تنظیم کے منہج اور عمران خان اور طاہر القادری صاحبان کے حالیہ دھرنوں کا تقابلی جائزہ پیش کیا۔ امیر حلقہ کے خصوصی مشیر برائے حالات حاضرہ جناب ثاقب رفیع شیخ نے موجودہ ملکی وبین الاقوامی حالات کے ضمن میں فوجی عدالتوں کے قیام، فرانس میں گستاخانہ خاکوں کی اشاعت، عالمی منڈیوں میں تیل کی قیمتوں میں کمی کی وجوہات اور کراچی کی صورتحال پر گفتگو کی اور رفقاء کو ترغیب دلائی کہ حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ تنظیمی نقطہ نظر سے آگاہ رہنے کے لیے تنظیمی جرائد کا مطالعہ اپنے اوپر لازم کر لیں۔ اختتامی گفتگو میں امیر حلقہ انجینئر نعمان اختر نے اجتماع میں موجود تمام رفقاء کا عموماً اور مدرسین کا خاص طور پر شکریہ ادا کیا کہ جنہوں نے انتہائی محنت کے ساتھ اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی کوشش کی۔ بحیثیت مجموعی یہ پروگرام بہت مفید رہا۔ اس اجتماع میں تقریباً 360 رفقاء نے شرکت کی۔ مسنون دعا پر یہ اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہماری مساعی کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین (رپورٹ: محمد سہیل)

دعائے مغفرت کی اپیل

- ☆ مقامی تنظیم ہارون آباد شرقی کے اسرہ چک R-82/6 کے رفیق محمد حنیف وفات پا گئے
- ☆ محمد امین نوشاہی (امیر مقامی تنظیم چشتیاں) کی والدہ محترمہ رحلت فرما گئیں
- ☆ تنظیم اسلامی حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی کے منفرد رفیق اور سابقہ معتمد حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی محترم شیر قادر کے بھائی وفات پا گئے

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ (آمین)۔ قارئین سے بھی مرحومین کے لئے دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ فِیْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

دعائے صحت کی اپیل

- ☆ معتمد حلقہ کراچی جنوبی عبید احمد پچھلے دنوں ایکسیڈنٹ میں زخمی ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔ آمین

قارئین اور رفقاء تنظیم سے بھی ان کے لئے دعائے صحت کی اپیل ہے۔

Reason and Revelation

By Khalid Baig

American economist Robert Samuelson recently made an interesting observation about the American society in his Newsweek column: "America's glories and evils are tightly fused together." Quoting sociologist Seymour Lipset, he asserts that America's economic vitality and progress come from the same source as do crime, family breakdown, inequality, and vulgarity. Freedom and individualism have fired economic advance, yet have also inhibited social control. But why the qualities that bring the best in a nation also should bring the worst in it? Is humanity doomed by having its vices and virtues so intricately mixed?

Samuelson does not probe the issue. Instead he seems to be happily resigned to it. "We are burdened as well as blessed by our beliefs," he says. Economics, we may be reminded, is the dismal science.

Actually the world is not doomed by design. Samuelson comes very close to the truth but he confuses approaches or tools with attributes. A tool that works great in one area is also being used in another for which it was never designed. The problem lies with the user who keeps on insisting on its use in the second area citing its success in the first. To put matters simply, it's the free use of reason and intellect that is behind most of America's (and West's in general) phenomenal scientific and material progress. It's the use of the same tool in moral, and religious life that has caused its equally phenomenal moral degeneration!

Every tool has a designated area of application. Outside, it will fail to work. A 4 bit computer is good for some elementary math involving whole numbers. It may multiply 2 by 20 and give the correct answer instantly. But burdened with complex calculations involving several decimal digits, it will give the WRONG answers. A weighing scale meant for gold will not work for iron and vice versa. Their resolution and capacity are inappropriate for those applications.

Same with the tools we use for learning about the world. Our senses and intellect are wonderful things. Science and technology are all about their use. Certainly it was free inquiry driven by reason that led to so many of the discoveries of science. It happened at an accelerated pace during the past four centuries and the results are everywhere around us to be seen.

But a tool that is so great in one area may be totally useless, even dangerous, in another. Pure Reason, uninformed by Divine Guidance, is a defective tool for deciding purpose of life or suggesting its values. What is Right and what is Wrong? These questions require knowledge beyond what we can acquire by using our senses and reasoned analysis. As a direct result, everyone's reasoning is different. That is why philosophers have never been able to agree upon what should be the goal of life. Happiness? Survival? Pleasure? Love? Self-fulfillment? You name it. In addition, it is impossible for us to separate our reasoning in these matters from our feelings. Pure or uninformed reason becomes just a tool to justify what we desire.

Today West's problem is that it has accepted the wrong tool for developing its moral compass. Probably the majority of its people abhor homosexuality. They may know that it is an abomination and evil. Yet today same-sex marriages are getting legal sanction in the West.

And they are helpless in trying to stop its advances. Why? Because they cannot argue that it is wrong based on pure reason. It is easier to make a case against smoking in public places, then against the worst forms of immorality. Such is the result when pure reason becomes the accepted arbiter of right and wrong.

There is nothing modern about this either. Several centuries ago, Obaidullah Hasan Qirwani, a leader of the renegade batani cult declared it foolish for a brother to marry his beautiful sister to a total stranger, while trying to be content with a less qualified wife -- another stranger. She would be much more suited to be wife of her own brother, with whom she may be a lot more compatible, he argued. His argument is, no doubt, sickening. But is there a counter argument based on pure reason?

Certainly mankind needs a superior tool for determining the values and purpose of life. A source of guidance that is based on certain knowledge, not conjecture. One that can inform our desires rather than being subservient to them. This is what Prophets, Alayhim assalam, came with. They claimed to have access to the higher source of knowledge, the Divine Revelation. Those who accepted them used reason and observation to verify their authenticity and character. But they accepted Divine Revelation as a SUPERIOR source of knowledge! That is why a son can tell his father: *"O my father! To me has come knowledge that had not reached you. So follow me. I will guide you to a Way that is even and straight." (Maryam, 19:43).*

All this is obvious, except in implications. We accept this is Right and that is Wrong because the Revelation TOLD us, not because it PROVED it to us. What is wrong with riba? Gambling? Pork? Alcohol? Revelation told us that they were wrong. Why is hijab necessary? Allah and His Prophet, Salla-Allahu alayhi wa sallam, ordered that. What are the rights of men and women? Those given to them by Allah and His Prophet, Salla-Allahu alayhi wa sallam. The attribute of the Muslims is that they "listened and followed" (Al-Baqarah, 2:285). It is not that they listened and questioned, and argued, and investigated and then if they felt like it, they followed. That is also THE message of Prophet Ibrahim, alayhi assalm's, sacrifice, a defining event for Islam. For the Qur'an describes the moment when the father and son were ready for the ultimate sacrifice by saying: "When they surrendered" (Al-Saffat, 37:103). Literally it can also be translated: "When they accepted Islam." For pure reason could have raised a million questions about the command for that sacrifice. Normally it is difficult for us to say "I don't know." It is even more difficult for nations to admit a weakness in their celebrated tools of inquiry. That is the dilemma of the modern world, which sees so much wrong with itself but cannot bring itself to admitting the problem with its basic approach. But a Muslim is the person who has both the wisdom and the courage to surrender before the higher source of knowledge and guidance. For him Revelation informs his reason and his reason controls his emotions. Such is the person who is blessed, but not burdened, by his beliefs.

رفقاء متوجہ ہوں

رفقاء کے تحریری سوالات اور
امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ
کے جوابات پر مشتمل ماہانہ پروگرام
تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر

امیر سے ملاقات

کے عنوان سے دیکھا جا سکتا ہے

☆ رفقاء تنظیم پروگرام کے لیے سوالات اپنے نام اور مقامی تنظیم و حلقہ کے حوالے کے ساتھ ہر ماہ کی 20 تاریخ تک درج ذیل ذرائع سے بھجوا سکتے ہیں۔
i) بذریعہ ای میل: media@tanzeem.org پر۔ ii) بذریعہ خط: K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور کے پتے پر۔
iii) بذریعہ SMS موبائل نمبر 0312-4024677 پر۔

خالصتاً فقہی نوعیت کے سوالات کے جوابات نہیں دیے جائیں گے

المعلن: مرزا ایوب بیگ (ناظم نشر و اشاعت تنظیم اسلامی) 36-K ماڈل ٹاؤن لاہور 042-35869501-3/042-35856304